خطباتِ جمعہ وعیدین

مولانا ابوالکلام آزادؒ

ترتیب وتدوین: میاں مختار احمد کھٹانہ

خطباتِ جمعہ وعیدین

مولانا ابو الکلام آزادؒ

ترتیب وتدوین

میاں مختار احمد کھٹانہ

تیسری منزل حسن مارکیٹ۔ اردو بازار۔ لاہور
Cell: 0300-8834610 Ph: 042-37232731
mjamal99@gmail.com - maktabajamal@yahoo.co.uk

نام کتاب	:	خطباتِ جمعہ وعیدین
مصنف	:	مولانا ابو الکلام آزاد
ترتیب وتدوین	:	میاں مختار احمد کھٹانہ
اہتمام	:	میاں وقار احمد کھٹانہ
ناشر	:	مکتبہ جمال • لاہور
مطبع	:	تایا سنز پرنٹرز • لاہور
اشاعت	:	2013ء
قیمت	:	220 روپے

ملنے کا پتہ

مکتبہ جمال

تیسری منزل۔ حسن مارکیٹ۔ اردو بازار۔ لاہور

Cell: 0300-6834610 Ph: 042-37232731
mjamal09@gmail.com - maktabajamal@yahoo.co.uk

فہرست

(حصہ دوم)

حرفِ اوّل

ہر قوم کے کچھ خاص تہوار اور جشن کے دن ہوتے ہیں جن میں اس قوم کے لوگ اپنی اپنی حیثیت کے مطابق خوشی مناتے ہیں۔ یہ گویا انسانی فطرت کا تقاضا ہے، اس لیے انسانوں کا کوئی طبقہ اور فرقہ ایسا نہیں جن کے یہاں تہوار اور جشن کے کچھ دن مخصوص نہ ہوں۔

اسلام میں بھی دو دن رکھے گئے ہیں ایک ''عیدالفطر'' اور دوسرا ''عیدالاضحیٰ''۔ یہی مسلمانوں کے اصل دینی اور ملّی تہوار ہیں۔ عیدالفطر یکم شوال المکرم اور عیدالاضحیٰ ۱۰ ذوالحجہ کو منائی جاتی ہے۔ ان دونوں عیدوں کا خاص مذہبی و روحانی پس منظر ہے۔ معاشرتی اعتبار سے ان دونوں مواقع پر دور دراز کے مسلمانوں کو آپس میں ملنے جلنے اور ایک دوسرے کے دُکھ درد میں شریک ہونے کا موقع ملتا ہے نیز ان دونوں مواقع پر غربا اور مساکین کی ہمدردی اور معاشرے کے پست حال لوگوں کی امداد کا خصوصی خیال رکھا جاتا ہے۔ عیدین میں خوشی کے اظہار پر بہت زور دیا گیا ہے۔ خوشی کے اظہار کے لیے بغلگیر ہونا اور خندہ پیشانی سے پیش آنا بھی مستحب ہے۔ ان دونوں موقعوں کی ایک مشترکہ خصوصیت اجتماعی صورت میں نمازِ عید کی ادائیگی ہے جو بہت فضیلت کی حامل ہے۔

ربِ کائنات نے مسلمانوں کے لیے ہفتے کے سات دنوں میں سے ایک دن کو افضل قرار دیا ہے اور وہ ہے جمعۃ المبارک۔ زمانہ قبل اسلام میں جمعہ کو ''یوم العروبة'' کہا جاتا تھا۔ جمعہ کی فضیلت کے بارے میں رسول کریم ﷺ نے فرمایا:

> ''سب سے افضل دن جس پر سورج طلوع ہوا وہ جمعہ کا دن ہے اسی دن اللہ تعالیٰ نے حضرت آدمؑ کو پیدا کیا اسی دن وہ جنت سے اُتارے گئے اسی دن ان کی توبہ قبول ہوئی اور اسی دن قیامت آئے گی اور اسی دن میں ایک وقت ایسا بھی ہے جسے بندۂ مومن پالے تو وہ اللہ سے جو دعا مانگے گا وہ قبول ہوگی۔'' (مسلم شریف)

زیرِ نظر کتاب مولانا آزادؒ کے اُن خطبات کا مجموعہ ہے جو انھوں نے وقتاً فوقتاً عید الفطر، عید الاضحیٰ اور جمعۃ المبارک کے مواقع پر ارشاد فرمائے۔ مولانا آزاد عیدین اور جمعۃ المبارک کے خطبات کو معاشرتی اصلاح کا وسیلہ سمجھتے ہیں ان کے نزدیک جمعہ ایک وعظ ہے جس کے لیے خطیب کو مکمل قابلیت کے ساتھ موضوع پر عمیق دسترس ہونی چاہیے۔ قوم کی موجودہ حالت بھی ان کے پیشِ نظر ہو، تاکہ وہ معاشرے کی اُن خرابیوں اور بیماریوں کا علاج بتا سکیں جو آج ہمیں لاحق ہیں۔ خطیب ایسا ہو کہ لوگ اس کی بات مکمل توجہ اور انہماک سے سنیں۔

یہ خطبات عیدین و جمعۃ المبارک جہاں خطبات کی اصل روح کو اُجاگر کرتے ہیں وہاں خطباء، واعظین اور طلبہ کے لیے بھی مشعل راہ ثابت ہوتے ہیں۔ اللہ رب العزت نے مولانا آزادؒ کو فہمِ دین کا جو ملکہ عطا کیا تھا ان کے معاصرین میں شاید و باید ہی ہو۔ مولانا کے خطبات میں استدلال کی پختگی، زبان کی لطافت، الفاظ کی شان و شوکت، اندازِ بیان کی شائستگی، سامعین کے دل و دماغ کو پوری طرح مسخر کر لیتی ہے۔

''مکتبہ جمال'' کو یہ اعزاز حاصل ہوا ہے کہ وہ مولانا کی دوسری کتابوں کی طرح اس ولولہ انگیز کتاب کو طباعت سے آراستہ کر رہا ہے۔ ہمیں یقین ہے کہ مولانا کے یہ خطبات آج بھی صداقت پسند طبائع اور انقلاب پسند مزاجوں کو گرمائیں گے نیز دعوتِ تبلیغِ حق کے مجاہدوں کے لیے روشنی کا مینار ثابت ہوں گے۔

''مکتبہ جمال'' کی یہ کوشش رہی ہے کہ مولانا ابوالکلام آزادؒ کے جواہر پاروں کو عوام تک پہنچایا جائے تاکہ قارئین ان کے علمی مرتبے اور قلمی وجاہت سے کما حقہ، متعارف ہو سکیں اور مولانا کی تفہیم دین سے مستفید ہوں۔

آخر میں اپنے اہل علم کرم فرماؤں خاص طور پر محترم پروفیسر افضل حق قرشی صاحب اور محترم ارشاد الرحمٰن صاحب کا بہت ممنون ہوں کہ ان کی شفقت اور رہنمائی سے یہ کتاب زیورِ طبع سے آراستہ ہو سکی۔

میاں مختار احمد کھٹانہ

(۱)

خطباتِ جمعہ وعیدین

رشد و ہدایت کا دائمی ذریعہ

جمعہ کا اجتماع اور حکم خطبہ مسلمانوں کے فلاح دارین کا وسیلۂ عظمیٰ تھا۔ اس سے مقصود یہ تھا کہ ہفتے میں ایک بار لوگوں کو ان کی حالت اور ضرورت کے مطابق ہدایت وارشاد کی دعوت دی جائے اور امر بالمعروف ونہی عن المنکر کا ایک دائمی ذریعہ ہو۔

خلفاء وسلاطین سلف کا معمول

خطبہ دراصل ایک وعظ تھا جیسا کہ وعظ ہوتا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد خلفائے راشدین اور صحابہ کا بھی یہی حال رہا اور تمام عربی حکومتیں جو اس کے بعد قائم ہوئیں ان میں بھی خلفا وسلاطین کو مساجد کے منبروں پر وعظ کرتے ہوئے تاریخ میں دیکھا جا سکتا ہے۔ حقیقتِ خطبہ کے لیے کتب صحاح کے ابواب متعلق جمعہ وخطبہ کی احادیث دیکھنی چاہییں۔

اعمالِ اسلامی کی حقیقت سلبی

لیکن ہماری اصلی مصیبت ہمارے حالات میں نہیں ہے کہ وہ نتائج ہیں۔ اس کا اصلی منبع ہمارے اعمال کے تحریف ونسخ میں ہے کہ وہی علل واسباب ہیں۔ شخصی حکومتوں کے قیام، عجمی سلاطین کی کثرت، سنت خلفاء راشدین کے ضیاع اور جہل وغفلت کے استیلا نے ہر اسلامی عمل کو ایک لباسِ ظاہر دے کر اس کی روحِ حقیقت سلب کر لی ہے، خطبۂ جمعہ اور عیدین ونکاح کا بھی یہی حال ہے۔

سب سے بڑا قاری کون؟

اب خطبے کے معنی یہ رہ گئے ہیں کہ عربی زبان میں ایک چھپی ہوئی کتاب جو بازار سے خرید لی جائے اور الف لیلہ کی طرح اس میں سے ایک خطبہ غلط سلط پڑھ کر سنا دیا جائے۔ آواز بشدت کریہہ ہو اور لب ولہجہ میں عربیت پیدا کرنے کے لیے ہر جگہ تفخیم وثقالت سے کام لیا جائے۔ بعض لوگ قرآن شریف کی حاصل کردہ قرأت کو اس میں بھی صرف کرتے ہیں اور پھر جو شخص ہر لفظ کے آخری حرف کو پوری سانس میں کھینچ کر پڑھ دے وہ سب سے بڑا قاری ہے!!

خطیب وسامعین کی حقیقت ناشناسی

بسا اوقات غریب پڑھنے والا بھی نہیں جانتا کہ میں کیا پڑھ رہا ہوں؟ الف لیلہ کی ایک رات کا افسانہ ہے، قلیوبی کی کوئی حکایت ہے یا ارشاد و ہدایتِ امت کا وہ عظیم وجلیل عملِ اقدس، جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے منبر پر کھڑے ہو کر مجھ کو انجام دینا پڑتا ہے؟ پھر سننے والوں کی مصیبت کا کیا پوچھنا؟ کوئی اونگھتا ہے، کوئی اپنے ساتھیوں سے صبح کے بازار کا بھاؤ پوچھتا ہے!

تحقیر وتذلیلِ اعمالِ دین

یہ تمسخر انگیز تذلیل وتحقیر ہے اس مذہبِ عظیم کے اعمالِ دینیہ کی، جس کے داعیِ اول نے اپنے خطبات ومواعظ سے ایک بادیہ نشین قوم کو روم وایران کے تمدن کا مالک بنا دیا تھا:

وَ مَا كَانَ اللّٰهُ لِيَظْلِمَهُمْ وَ لٰكِنْ كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ (۲۹:۴۰)

علماء وصوفیا کا ماتم

یقین کرو کہ جب حضرت مسیح علیہ السلام نے بنی اسرائیل کی ذلت و ہلاکت پر ماتم کیا تو شریعت موسوی کے احکام واعمال کا بعینہ یہی حال تھا جو آج تم نے خدا کی شریعت کا بنا رکھا ہے۔ مسیح اگر ان فریسیوں اور صدوقیوں پر روتا تھا، جو گو بڑی بڑی آستینوں کے جبے پہنتے، ہر وقت دعائیں مانگتے اور بڑی بڑی مہیب تسبیحیں اپنے ہاتھوں میں رکھتے تھے، پر شریعت کے حکموں کو انہوں نے مسخ اور اعمالِ صالحہ کو بے اثر کر دیا تھا، تو ہمیں بھی اپنے عالموں اور صوفیوں پر ماتم کرنا

چاہیے جو ان کی طرح یہ سب کچھ کرتے ہیں پر انہی کی طرح حقیقت سے بھی خالی ہیں!!

معیارِ خطبہ

میں سرے سے اس امر ہی کا اعدعدو دشمن ہوں کہ خطبے لکھے ہوئے پڑھے جائیں۔ یہ ایک بدعت ہے جس کا نہ تو قرون مشہود لہا بالخیر میں ثبوت ملتا ہے اور نہ علت حکم اس کا مؤید۔ خطبہ ایک وعظ ہے۔ پس مسجدوں میں ایسے خطیب ہونا چاہییں جن کو یہ قابلیت حاصل ہو کہ جمعہ کے خطبے کے لیے تیار ہو کر آئیں اور زبانی مثل عام مواعظ کے وعظ کہیں۔ ضرور ہے کہ قوم کی موجودہ حالت ان کے پیش نظر ہو۔ جو بیماریاں آج ہمیں لاحق ہیں، انہی کا علاج بتلائیں، نہ کہ ان کا، جواب سے پانچ سو برس پہلے تھیں؟

ناموزونیت اور تغلیط

جو خطبات عربیہ آج کل رائج ہیں، میں نے سب کو پڑھا ہے وہ تو اس وقت کے لیے بھی موزوں نہ تھے، جس وقت کے لیے لکھے گئے تھے۔ پھر آج کی حالت کا کیا ذکر؟

خطبہ کا یہ مطلب کس نے بتلایا ہے کہ صرف جمعہ وعیدین کے چند مسائل بیان کر دیے جائیں اور کہہ دیا جائے کہ ایک دن مرنا ہے پس ڈرو اور موت کو یاد کرو؟ بے شک، موت کو یاد کرنے سے بڑھ کر انسان کے لیے دنیا میں کوئی نصیحت نہیں ہو سکتی:

كفاك بالموت واعظا يا عمر!

لیکن صرف یہ کہہ دینا لوگوں کو ڈرانے کے لیے کافی نہیں ہے۔ موت کی یاد کے ساتھ ان کو اس زندگی کا طریقہ بھی بتلانا چاہیے جو تذکرۂ آخرت کے ساتھ مل کر انسانوں کو دونوں جہانوں میں نجات دلا سکتی ہے۔

بڑا مسئلہ زبان کا ہے اور ضرور ہے کہ ایک مختصر سے خطبۂ ماثورہ عربیہ کے بعد، وعظ اسی زبان میں ہو، جو سامعین کی زبان ہے۔ ورنہ سمجھ میں نہیں آتا کہ اسے حاصل کیا؟

شرعی حیثیتِ خطبہ

شریعت نے کیسی عمدہ مصلحت اس میں رکھی کہ جمعہ کے خطبے کو نماز فرض کا قائم مقام قرار دیا اور اس کی سماعت کو فرض بتلایا۔ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک دونوں خطبوں کا سماع واجب ہے اور امام

شافعیؒ کے نزدیک صرف پہلے کا۔ اس وقت نماز پڑھنا جائز نہیں۔

ماتمِ عقل وفکر

اس سے مقصود یہی تھا کہ لوگ عمل عبادت کی طرح نصائح و ہدایت کو بھی سنیں۔ پھر ان نصائح کو ایسا اہم ہونا چاہیے کہ مصروفیت نماز سے بھی اقدم وانفع ہوں۔ کیا یہ خطبات جو آج کل دیئے نہیں بلکہ اٹک اٹک کر پڑھے جاتے ہیں اور لوگ بیٹھے ہوئے اونگھتے ہیں یہی وہ مواعظ ہیں، جن کی سماعت فرض اور ان کی موجودگی میں نماز تک ممنوع ہے؟

فَأَيْنَ تَذْهَبُونَ ؟ (۸۱:۲۶)

عقل وشریعت کے لیے ماتم ہے کہ موجودہ علماء خود اس طریق کے عامل اور اس پر پوری طرح قانع ہیں!

فَمَالِ هَؤُلَاءِ الْقَوْمِ لَا يَكَادُونَ يَفْقَهُونَ حَدِيثًا (۴:۷۸)

امامتِ مساجد اور ذریعۂ معاش

بڑی مصیبت یہ ہے کہ مساجد کی امامت عموماً جہلاء کے ہاتھوں میں ہے اور یہ کام ایک ذریعۂ معاش بن گیا ہے۔ وہ بیچارے کہاں سے ایسی قابلیت لائیں کہ برجستہ خطبہ دیں اور اس کے تمام شرائط کو پورا کریں!

اصلاحِ حال

خطبہ کے معنی تو یہ ہیں کہ نہ صرف عام حالت کی اس میں رعایت کی جائے بلکہ گذشتہ جمعہ کے بعد جو نئے حالات وحوادث دنیا میں گذرے ہیں اور ان کی بنا پر مسلمانوں کو جو کچھ تعلیم کرنا ضروری ہے اس کی بھی رعایت اس میں ملحوظ رہے۔ ضرورت اس کی تھی کہ جنگ بلقان وطرابلس کا ذکر خطبوں میں ہوتا۔ مسجد کانپور کا جب حادثہ پیش آیا، تو اس کے بعد کے جمعہ میں ہر جگہ خطباء اس واقعہ کے متعلق بیان کرتے۔ مسلمانوں کی تعلیم، ان کی سیاسی حالت، ان کے اخلاق واعمال، ان کی ضروریات حالیہ، اگر مساجد کی تعلیم سے درست نہ ہوگی، تو کیا وائی۔ ایم۔ سی کے پریچنگ ہالوں میں ان کو ڈھونڈا جائے؟ اگر یہ سلسلہ درست ہو جائے تو پھر نہ انجمنوں کی ضرورت ہے، نہ کسی

مرکزی کانفرنس کی لوکل کمیٹیوں کی اور نہ مسلم لیگ کی شاخوں کی۔

عمل کا فرق

میں نے ایک بار کہا تھا کہ میرے فکر و نظر اور آج کل کے ارباب عمل کے کاموں میں ایک بہت بڑا اصولی فرق یہ ہے کہ وہ راہِ تاسیس اختیار کرتے ہیں اور میں صرف تجدید و احیا کی ضرورت سمجھتا ہوں۔ یہ بحث بھی اسی کی ایک مثال ہے۔

ضرورت وقت کا تقاضا

اس کام کے لیے ضرورت ہے علماء حق کی بیداری اور ادائے فرض کی۔ ضرورت ہے تمام ائمہ مساجد ہند کے حالات کی تفتیش و تحقیق کے لیے ایک باقاعدہ صیغہ کی۔ ضرورت ہے ایک مدرسہ کی اور ایک خاص نصاب تعلیم کی جس میں سے مساجد کے پیش امام و خطباء تیار ہو کر نکلیں، لیکن:

تن همه داغدار شد، پنبه کجا کجا نهی

عبارت اور مطالب خطبہ

خطبہ کی عبارت نہایت مؤثر ہونی چاہیے تاکہ دلوں کو کھینچ لے اور سامع کو اس کا ذوق دوسری طرف متوجہ نہ ہونے دے۔ اس میں مسلمانوں کے تمام موجود امراض ملی و اجتماعی کو پیش نظر رکھنا چاہیے اور ان چیزوں اور شریعت کے ان حکموں پر زور دینا چاہیے جن کے ترک نے مسلمانوں کو فلاح کونین سے آج محروم کر دیا ہے۔

نماز عیدین

یہ عجیب بات ہے کہ نماز عیدین کے متعلق اصل حکم سنت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم اور علم رسم، تینوں باتیں اس کی موید ہیں کہ شہر سے باہر کسی میدان یا صحرا میں ایک ہی جماعت کے ساتھ ادا کی جائیں مگر بعض شہروں میں عید مسجدوں کے اندر پڑھنے کا رواج ہو گیا ہے اور اس کی وجہ سے مسلمانوں کی اجتماعی قوت و وحدت کو نقصان عظیم پہنچ رہا ہے لیکن بدقسمتی سے مسجدوں میں عیدین نماز پڑھنے کی رسم اس طرح پڑ گئی ہے کہ جب کبھی لوگوں کو اس طرف توجہ دلائی گئی تو بہت کم لوگ ایسے نکلے جنہوں نے اس سنت اصلی کے احیا کو ضروری سمجھا ہو۔

(۲)

عید اور تکمیلِ شریعت

اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَ اَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَ رَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا (۵:۳)

ولولہ و جوش

آگ کا شرارہ کوہ آتش فشاں کے دامن میں چھپا رہتا ہے لیکن جب پھوٹتا ہے تو تمام دنیا کو محیط ہو جاتا ہے۔ نمو کی قوت ذراتِ خاک میں مخفی رہتی ہے لیکن جب اصل بہار آتی ہے تو اس میں اس قدر ابال آ جاتا ہے کہ اس پر زمین کی فضائے بسیط تنگ ہو جاتی ہے۔ پانی کا سیال مادہ بادل کے ایک ٹکڑے میں سمٹا ہوا پڑا رہتا ہے لیکن جب برستا ہے تو پھیل کر خشکی و تری کو باہم ملا دیتا ہے۔ برق کی رو دنیا کے ہر ذرے میں موجود ہے لیکن جب اس میں تموج پیدا ہوتا ہے، تو کارخانۂ قدرت کے ایک ایک پرزے میں دفعتاً حرکت پیدا ہو جاتی ہے۔ موج دریا ہی میں پنہاں ہے لیکن جب اٹھتی ہے اور اٹھ کر بلند ہوتی ہے، تو دریا میں تلاطم برپا ہو جاتا ہے!!

ہدایت

اسلام بھی اسی قسم کا ایک شرارہ، اسی طرح کی ایک طاقتِ نمو، اسی فیاضی کے ساتھ بہنے والا ایک چشمۂ آبِ حیات، اسی قوت کے ساتھ حرکت پیدا کرنے والی بجلی کی ایک رو اور اسی سرعت کے ساتھ پھیلنے والی ایک موجِ ہدایت تھی جس نے اڑ کر خرمنِ جہل و ضلالت میں آگ لگا دی، جس نے پھول پھل کر شرر زارِ دنیا کو تختۂ گل و یاسمین بنا دیا، جس نے برس کر تمام دنیا کو سرسبز و شاداب کر دیا، جس نے چل کر دنیا کے سکون کو حرکت سے بدل دیا اور جس نے اٹھ کر کفر و فساد کی

الارض کے بحرِ ظلمت خیز میں ایک عظیم الشان تلاطم برپا کر دیا!

یہ شرارہ، یہ نمو، یہ برق، یہ موج، غارِ حراء میں دبی ہوئی تھی۔ایک مبارک رات میں اس کا ظہور ہوا لیکن اس کے لیے ایک فضائے غیر متناہی، ایک وسعت غیر محدود، ایک کرۂ غیر معمورہ درکار تھا، اس لیے انہوں نے پھیلنا چاہا لیکن کفرزارِ مکہ کی زمین گھبرا کر پکار اٹھی:

"آہستہ خرام بلکہ مخرام" اب اسلام دنیا کے دوسرے حصوں کی طرف بڑھا کیونکہ سکڑنا اس کی فطرت کے خلاف تھا اور فطرت کی خلاف ورزی عتابِ الٰہی کا مقدمہ ہے:

إِنَّ الَّذِينَ تَوَفَّاهُمُ الْمَلَائِكَةُ ظَالِمِي أَنفُسِهِمْ قَالُوا فِيمَ كُنتُمْ قَالُوا كُنَّا مُسْتَضْعَفِينَ فِي الْأَرْضِ قَالُوا أَلَمْ تَكُنْ أَرْضُ اللَّهِ وَاسِعَةً فَتُهَاجِرُوا فِيهَا فَأُولَٰئِكَ مَأْوَاهُمْ جَهَنَّمُ وَسَاءَتْ مَصِيرًا. إِلَّا الْمُسْتَضْعَفِينَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَاءِ وَالْوِلْدَانِ لَا يَسْتَطِيعُونَ حِيلَةً وَلَا يَهْتَدُونَ سَبِيلًا. فَأُولَٰئِكَ عَسَى اللَّهُ أَن يَعْفُوَ عَنْهُمْ وَكَانَ اللَّهُ عَفُوًّا غَفُورًا. وَمَن يُهَاجِرْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ يَجِدْ فِي الْأَرْضِ مُرَاغَمًا كَثِيرًا وَسَعَةً وَمَن يَخْرُجْ مِن بَيْتِهِ مُهَاجِرًا إِلَى اللَّهِ وَرَسُولِهِ ثُمَّ يُدْرِكْهُ الْمَوْتُ فَقَدْ وَقَعَ أَجْرُهُ عَلَى اللَّهِ وَكَانَ اللَّهُ غَفُورًا رَّحِيمًا (۴:۹۷-۱۰۰)

جن لوگوں کی روح کو فرشتوں نے ایسی حالت میں قبض کیا کہ وہ لوگ ارضِ شرک میں رہ کر اپنے اوپر ظلم کر رہے تھے، تو ان سے فرشتوں نے کہا کہ تم ایسی مصیبت میں کیوں مبتلا رہے؟ انہوں نے جواب دیا کہ:

"زمینِ کفر میں ہمیں کوئی طاقت حاصل نہ تھی" فرشتوں نے کہا "تو کیا خدا کی زمین وسیع نہ تھی کہ اس میں ہجرت کر جاتے؟" پس ایسے لوگوں کا ٹھکانا صرف جہنم ہے اور وہ بدترین ٹھکانا ہے۔البتہ وہ ضعیف مرد و عورت اور بچے جو نہ کسی تدبیر کرنے کی طاقت رکھتے ہیں نہ ان کو راستہ ملتا ہے تو خدا ان کو معاف کر دے گا وہ بڑا ہی معاف کرنے والا ہے۔

جو شخص خدا کی راہ میں ہجرت کرے گا، وہ زمین میں وسعت اور فلاح و انجام پائے گا اور جو شخص اپنے گھر سے نکل کر خدا اور خدا کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ہجرت کرے اور

راستہ ہی میں اس کو موت آ جائے تو یقین کرو کہ اس کا بدلہ خدا پر واجب ہو چکا اور خدا بڑا معاف کرنے والا اور رحم کرنے والا ہے۔

وہ دنیا میں پھیلا اور حبش و مدینہ کی آبادیوں نے اس کو اپنی آغوش میں لے لیا۔ بدر و حنین نے اس کے لیے اپنا دامن خالی کر دیا، بنو قریظہ و بنو نضیر کے سرسبز باغوں نے اس کے لیے اپنی جگہ سنواری۔ خیبر کے نخلستانوں نے اس کو اپنے سائے میں بٹھایا لیکن با ایں ہمہ وہ ابھی پھیلنے کے لیے اور گنجائش ڈھونڈتا تھا اور بڑھنے کے لیے اور وسعت چاہتا تھا۔ قصر شریعت کی آخری اینٹ نے اس کی کو پورا کر دیا تھا جس کی وجہ سے دین الٰہی کی عظیم الشان عمارت تمام دنیا کو بدنما نظر آتی تھی:

ان رسول الله صلی الله علیه وسلم قال ان مثلی ومثل الانبیاء من قبل کمثل رجل بنی بیتا فاحسنه و اجمله الا موضع لبنة من زاویة فجعل الناس یطوفون به ویعجبون له ویقولون هلا وضعت هذه اللبنة قال فانا اللبنة و انا خاتم النبیین! (بخاری ص ۱۸۶ کتاب المناقب)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

میری اور پچھلے نبیوں کی مثال بالکل اس شخص کی سی ہے، جس نے ایک نہایت خوشنما مکان بنایا لیکن اس کے کسی کونے میں صرف ایک اینٹ کی کسر رہ گئی۔ پھر لوگوں نے خوب گھوم پھر کے دیکھا اور بہت خوش ہوئے تاہم ان کو یہ کہنا پڑا کہ آخر یہ ایک اینٹ کیوں نہ رکھی گئی؟ تو یقین کرو کہ وہ آخری اینٹ میں ہوں اور اسی لیے میں خاتم الانبیا ہوں!

شریعتِ اسلامی

شریعتِ اسلامیہ نے اس کمی کو پورا کر دیا تھا لیکن تمام دنیا کو دکھا دینا ابھی باقی تھا۔ خدا نے حجۃ الوداع میں اس عمارت کو اپنی مکمل صورت کے اندر دکھا دیا اور تمام دنیا نے خانہ کعبہ کا طواف

کر کے دیکھ لیا کہ اب ایک اینٹ کی جگہ بھی خالی نہ رہی:

اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَ اَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِي وَ رَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا (۵:۳)

آج کے دن میں نے تمہارے دین کو کامل کر دیا اور تم پر اپنے احسانات پورے کر دیے اور تمہارے لیے دین اسلام کو منتخب کیا!

قرآن حکیم کے بطون وارواح کی طرح وہ ظروف ومواقع بھی کچھ کم اہمیت نہیں رکھتے، جن میں اس کی مقدس سورتوں اور آیتوں کا نزول ہوا ہے۔ دیوار کے لیے اینٹ اور گارا ضروری اجزا ہیں مگر ان سے اس سفیدی کی دلاویزی میں کچھ فرق نہیں آسکتا جو اگرچہ دیوار کی سطح پر ہے لیکن مکان کے اور اجزاء سے کہیں زیادہ گذرنے والوں کو اپنی طرف مائل کر رہی ہے۔

اسلام دینِ اکمل

دین الٰہی بھی ایک عمارت ہے جس کی تعمیر ازل سے شروع ہوئی اور ختم نبوت کی آخری اینٹ نے مکمل کر دیا۔ اس لیے وہ بھی اور عمارتوں کی طرح داخلی وخارجی اجزاء سے مرکب ہے۔ پہلی قسم کے اجزاء سے اس کی تقویم وترکیب ہوئی ہے اور دوسری قسم کے اجزاء نے اس کے آب ورنگ اور اس کی زینت ورونق کو نمایاں کیا ہے۔

اسلام نے کبھی یہ شکایت نہیں کی کہ اس کے اجزاء پورے نہیں کیے جاتے۔ اس نے ہمیشہ ان کے اظہار کا دعویٰ کیا۔ مکہ میں صرف دو رکعت نماز فرض کی گئی تھی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم وصحابہ بالکل اس پر قانع تھے۔ البتہ آرزو اس کی تھی کہ آزادی کے ساتھ اس مختصر عبادت کے ادا کرنے کا موقع ملے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نزولِ فرائض کا کبھی انتظار نہیں کیا لیکن تبدیلِ قبلہ کے لیے نہایت اضطراب کے ساتھ وحی آسمانی کی راہ دیکھتے رہے:

نَرٰى تَقَلُّبَ وَجْهِكَ فِي السَّمَآءِ (۲:۱۴۴)

ہم تبدیل قبلہ کے لیے انتظار وحی میں آسمان کی طرف تمہارے چہرے کی گردش دیکھتے رہتے ہیں۔

کیونکہ قبلہ ہی دین اسلام کی قوتِ نفوذ کا مرکز اولین ومظہر آخرین تھا، اس لیے متمم ومکمل دعوتِ ابراہیمی اس کا بیقراری کے ساتھ انتظار کرتا تھا۔

اسلام اور مذاہبِ عالم

اصل حقیقت کے لحاظ سے اسلام تمام مذاہب عالم کا آب ورنگ تھا۔ مذہب کے تمام اجزائے بسیط پہلے ہی سے موجود تھے اسلام نے صرف ان کو جلا دے کر نمایاں کر دیا۔ آئینہ کا خاکہ پہلے ہی سے تیار تھا، اسلام اس کا جوہر بن گیا۔ وہ چہرۂ کائنات کا غازہ تھا جس نے حسن حقیقت کو اور دلفریب بنا دیا۔ وہ آب ورنگ تھا، صیقل تھا، جلا تھا، غازہ تھا، ان میں سے ہر چیز نمایاں ہونے والی ہے اس لیے وہ نمایاں ہونا چاہتا تھا۔

اسلام کا قالب حقیقت مکہ ہی میں متشکل ہو چکا تھا۔ مدینہ میں آ کر اس کے اجزاء بھی مکمل ہو گئے، لیکن وہ ایک حسن بے پردہ تھا جو دنیا کے سامنے بے نقاب ہونا چاہتا تھا۔ حجۃ الوداع نے اس کے چہرے سے یہ نقاب بھی الٹ دی اور تمام دنیا کو اس کا روشن چہرہ نظر آ گیا۔

چنانچہ عرفات کے میدان میں اسلام کی حقیقت کے اسی ظہور کامل کا اعلان کیا گیا:

اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَ اَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَ رَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا (۵:۳)

لیکن وہ دنیا کے سامنے صرف ظاہر ہونا اور چہرہ دکھا کر گذر جانا نہیں چاہتا تھا۔ اگر وہ اتنے پر راضی ہوتا تو کب کا راضی ہو گیا ہوتا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایام مظلومی ہی میں تمام قبائل کے سامنے اسلام کو پیش کر دیا تھا اور تمام جزیرہ عرب اس سے روشناس ہو چکا تھا، مگر وہ غلبہ کاملہ، تسلط عام اور ظہور تام چاہتا تھا یعنی وہ ایک عظیم الشان خلافت الٰہی کی بنیاد ڈالنا چاہتا تھا جو میزان عدل کو قائم رکھے، شعائر الٰہیہ کی حفاظت کرے، دنیا کو امن وسلامتی کا پیغام سنائے، مساوات عامہ کی تعلیم دے، پرانے حقد وحسد کو مٹا کر نئے سرے سے الفت ومحبت کی بنیاد ڈالے۔ اسلام کے تازہ خون کا قصاص لے، جاہلیت کے دم خشک کو اپنے تلووں سے مسل دے، دنیا کو معاملات ومفارضات کا صحیح اصول بتائے۔ وہ حکومت چاہتا تھا جو انسان کے تمام عقائد،

اعمال، اخلاق اور معاملات پر محیط ہو جائے۔ اس عمارت کی بنیاد اگرچہ مکہ ہی میں پڑ چکی تھی لیکن اس کا افتتاح حجۃ الوداع میں ہوا، اس لیے تکمیل دین کا اعلان بھی اسی زمانے میں کیا گیا۔ خدا کا دین پہلے ہی سے کامل تھا لیکن اب تک وہ مسلمانوں کے نفوذ وقوت کے شایاں شان نہ تھا۔ آج خدا نے اس کو مسلمانوں کے شایانِ شان بنا کر اس پر دائمی پسندیدگی اور رضائے تام کی مہر لگا دی:

رَضِيتُ لَكُمُ الْإِسْلَامَ دِينًا [۵:۳]

دنیا کا کوئی دائمی مذہب، دنیا کی کوئی صالح قوم، دنیا کا کوئی اولوالعزم پیغمبر، اپنے مقاصد میں سلطنت کے بغیر کامیاب نہیں ہو سکتا، چنانچہ دنیا میں جب کوئی صالح قوم پیدا ہوئی ہے اور اس نے نیکی پھیلانے اور امر بالمعروف ونہی عن المنکر کی الٰہی خدمت اپنے ذمہ لی ہے تو خدا نے اس کو ہمیشہ صاحب تاج وتخت بنایا ہے اور جب تک اس کے سر پر حکومت کا تاج نہیں رکھا گیا، اس کا دین خدا کی آخری مرضی کے مطابق نہیں ہوا چنانچہ اللہ تعالیٰ خود فرماتا ہے:

وَعَدَ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا مِنكُمْ وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْأَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِينَ مِن قَبْلِهِمْ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِينَهُمُ الَّذِي ارْتَضَىٰ لَهُمْ وَلَيُبَدِّلَنَّهُم مِّن بَعْدِ خَوْفِهِمْ أَمْنًا يَعْبُدُونَنِي لَا يُشْرِكُونَ بِي شَيْئًا وَمَن كَفَرَ بَعْدَ ذَٰلِكَ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْفَاسِقُونَ (۲۴:۵۵)

تم میں جو لوگ ایمان لائے اور عمل صالح اختیار کیا، تو خدا نے ان سے وعدہ کر لیا ہے کہ ان کو زمین کی خلافت بخشے گا جیسا کہ اس نے گذشتہ لوگوں کو ان کے عمل صالح کی وجہ سے بخشا نیز خدا نے ان کے لیے جو دین پسند فرما دیا ہے، اس کو مستحکم کر دے گا اور ان کے خوف کو امن سے بدل دے گا تاکہ اسی کی عبادت کریں اور کسی چیز کو اس کا شریک نہ بنائیں اور جو لوگ اس کے بعد کافر ہوئے سو وہ یقیناً مجرم وملزم ہیں۔

اللہ تعالیٰ کی اسی سنت جاریہ کے مطابق مکہ میں ایک قوم ایمان لائی اور اس نے عمل صالح اختیار کیا، اس لیے خدا نے اس کو زمین کا خلیفہ بنایا۔ خدا نے اس کے لیے جس دین کو منتخب فرمایا تھا اب تک وہ اس کے وعدے کے مطابق مستحکم نہیں ہوا تھا۔ فتح مکہ نے اس کو مستحکم

کر دیا۔ مدینہ میں رہ کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام عرب کی مشرکانہ قوت توڑ دی تھی۔ صرف اہل مکہ اپنی اصلی حالت پر قائم تھے۔ اگر اسلام کو کچھ خوف تھا تو اسی مرکزی طاقت کا تھا۔ فتح مکہ نے اس طاقت کو بھی پامال کر دیا۔ اب خوف مبدل بہ امن و امان ہو گیا۔ اس امن و امان کا مقصد جیسا کہ خود خدا نے بیان فرما دیا، یہ تھا کہ خدا کی پرستش کی جائے، تمام انسانی پرستشوں اور معبودانہ اقتداروں کا خاتمہ کر دیا جائے اور خدا کے بندے صرف خدا ہی کے لیے ہو جائیں۔ فتح مکہ میں تین سو ساٹھ بت جاء الحق و زھق الباطل کی شعلہ انگیز صداؤں کے ساتھ توڑ دیے گئے اور توحید الٰہی کے لیے میدان صاف ہو گیا۔ حجۃ الوداع میں پہلے ہی سے منادی کرا دی گئی تھی کہ کوئی مشرک خانہ کعبہ کے اندر داخل نہیں ہو سکتا۔ دین الٰہی کی یہی تکمیل تھی، یہی غلبہ عام تھا، یہی ظہور تام تھا، یہی حقیقی امن و امان تھا، جو اس عہد سے شروع ہو گیا اور اسی کا خدا نے وعدہ فرمایا تھا:

لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ (۲۸:۴۸)

خدا اسلام کو تمام ادیان باطلہ پر غالب کر دے گا جب یہ وعدہ پورا ہوا تو امت کو یہ بشارۃ عظمیٰ سنائی گئی:

اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَ اَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَ رَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا (۵:۳)

یہ آیت کریمہ عظیمہ جمعہ کے دن خاص عرفات کے میدان میں نازل ہوئی اور ایک ایسا عطیہ الٰہی سمجھی گئی کہ ایک یہودی نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے بہ حسرت کہا:

اگر ایسی آیت ہمارے مذہب میں نازل ہوتی تو ہم اس کے نزول کی یادگار میں عید مناتے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

ہم کو اس یادگار کے قائم کرنے کی ضرورت نہ تھی۔ یہ آیت خود عید ہی کے دن نازل ہوئی جب کہ خدا کے مخلص بندے عرفات کے میدان میں اس کے سامنے کھڑے تھے۔ پس ہمیشہ کے لیے یہ دن ہمارے لیے عید کا جشن عام ہوگا اور خدا کی یہی مرضی تھی۔

عید کی حقیقت

اسی بشارت عظمیٰ نے عید کی حقیقت کو بھی بے نقاب کر دیا۔ وہ محض سیر و تفریح، عیش و نشاط، لہو و لعب کا ذریعہ نہیں ہے۔ وہ تکمیل شریعت کا ایک مرکز ہے، وہ سطوتِ خلافت الٰہی کا ایک مظہر ہے، وہ توحید و وحدانیت کا منبع ہے، وہ خالص نیتوں اور پاک دلوں کی نمائش گاہ ہے۔

اس کے ذریعہ ہر قوم کے مذہبی جذبات کا اندازہ کیا جا سکتا ہے اگر وہ اپنی اصلی حالت میں قائم ہے تو سمجھ لینا چاہیے کہ مذہب اپنی پوری قوت کے ساتھ زندہ ہے۔ اگر وہ مٹ گئی ہے یا بدعات و مزخرفات نے اس کے اصل مقاصد کو چھپا دیا ہے تو یقین کر لینا چاہیے کہ اس مذہب کا چراغ بجھ رہا ہے۔

یہی وجہ ہے کہ اسلام میں جس دن سے قوت کی نشو ونما کا آغاز ہوا اسی دن سے عید کو اس کے اظہار کا ذریعہ بنایا گیا۔ مدینہ میں صرف عید الفطر کے ذریعہ دنیا کو اسلام کی وسعت اثر کا ایک منظر دکھایا جا سکتا تھا لیکن وہ صرف اتنے ہی پر قانع نہ تھا، وہ تمام دنیا کے لیے ایک چشمۂ رحمت تھا جو ابلنا چاہتا تھا:

وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ (۲۱:۱۰۷)

وہ عرفات کے میدان میں ابلا اور اپنے پھیلنے والی موجوں کی چادر میں تمام دنیا کو چھپا لیا۔ اس لیے تمام دنیا نے اسلام کے جاہ و جلال، ظہور و غلبہ اور نفوذ و وسعت کا تماشا دیکھ لیا۔

عید اور شعائر اسلام

پس عید اگر شعائر اسلام کو قائم رکھتی ہے، مذہبی روح کو زندہ کرتی ہے، مذہب کے کارنامۂ اعمال کو دنیا کے سامنے پیش کرتی ہے، عہد محبت و میثاق الٰہی کی تجدید کرتی ہے، تمام امت کو ایک نظام میں مربوط کر دیتی ہے، مختلف ممالک کے مسلمانوں کے درمیان سفارت کا کام دیتی ہے، تو بلاشبہ وہ عید ہے، حج ہے، طواف ہے، ورنہ وہ صرف کھجور کی ایک گٹھلی ہے جس کو ایک سنت کے احیا کے لیے ہم علی الصبح کھا کر پھینک دیتے ہیں۔

یہ عجیب حسن اتفاق ہے کہ اسلام کی اس سب سے عظیم الشان عید کے بعد اسلام کی دعوت اولیٰ کی زندگی کا دور ختم ہو گیا اور خود یہ آیت جس نے مذہب کی تکمیل کا اعلان کیا تھا، اس کا مقدمہ و تمہید تھی۔ چنانچہ اس کے نزول پر اگرچہ اکثر صحابہ کو نہایت مسرت ہوئی لیکن جو لوگ اس حقیقت کو جانتے تھے کہ داعی حق کی زندگی کا سب سے آخری مقصد دین کی تکمیل اور اس کا عرض عام وظہور تام تھا، ان کی آنکھیں تکمیل کے بعد کے نتیجہ کو دیکھ کر اشکبار ہو گئیں۔ یہ مقصد حقیقی حجۃ الوداع میں حاصل ہو گیا تھا، اس کے ایک ہی سال بعد آفتابِ نبوت رحمت الٰہی کی آغوش میں غروب ہو گیا:

اللھم صل وسلم علی سیدنا محمد وعلی ال سیدنا محمد کما صلیت و سلمت علی سیدنا ابراھیم وعلی آل سیدنا ابراھیم انک حمید مجید!

❋ ❋ ❋

عید الفطر

اطاعت شعاری اور حقیقتِ انسانی

عید آمد و آفزود غم را غم دیگر
ماتم زدہ را عید بود ماتم دیگر

دنیا کی ہر قوم کے لیے سال بھر میں دو چار دن ایسے ضرور آتے ہیں جن کو وہ اپنے کسی قومی جشن کی یادگار سمجھ کر عزیز رکھتی ہے اور قوم کے ہر فرد کے لیے ان کا ورود عیش و نشاط کا دروازہ کھول دیتا ہے۔

مسلمانوں کا جشن اور ماتم، خوشی اور غم، مرنا اور جینا جو کچھ تھا خدا کے لیے تھا:

قُلْ اِنَّ صَلَاتِيْ وَ نُسُكِيْ وَ مَحْيَايَ وَ مَمَاتِيْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ. لَا شَرِيْكَ لَهٗ وَ بِذٰلِكَ اُمِرْتُ وَ اَنَا اَوَّلُ الْمُسْلِمِيْنَ(۶: ۱۶۲۔۱۶۳)

کہہ دے کہ میری نماز، میری تمام عبادت، میرا مرنا، میرا جینا، جو کچھ ہے اللہ کے لیے ہے، جو تمام جہانوں کا پروردگار ہے اور جس کا کوئی شریک نہیں۔ مجھ کو ایسا ہی حکم دیا گیا ہے اور میں مسلمانوں میں پہلا مسلمان ہوں۔

اوروں کا جشن و نشاط لذائذ دنیوی کے حصول اور انسانی خواہشوں کی کامجوئیوں میں تھا مگر ان کے ارادے مشیت الٰہی کے ماتحت اور خواہشیں رضائے الٰہی کی محکوم تھیں۔ ان کے لیے سب سے بڑا ماتم یہ تھا کہ دل اس کی یاد سے غافل اور زبان اس کے ذکر سے محروم ہو جائے اور سب سے بڑا جشن یہ

تھا کہ سر اس کی اطاعت میں جھکے ہوئے ہوں اور زبان اس کی حمد و تقدیس سے لذت یاب ہو:

إِنَّمَا يُؤْمِنُ بِآيَاتِنَا الَّذِينَ إِذَا ذُكِّرُوا بِهَا خَرُّوا سُجَّدًا وَسَبَّحُوا بِحَمْدِ رَبِّهِمْ وَهُمْ لَا يَسْتَكْبِرُونَ. تَتَجَافَىٰ جُنُوبُهُمْ عَنِ الْمَضَاجِعِ يَدْعُونَ رَبَّهُمْ خَوْفًا وَطَمَعًا وَمِمَّا رَزَقْنَاهُمْ يُنْفِقُونَ (۳۲:۱۵-۱۶)

ہماری آیتوں پر تو وہ لوگ ایمان لاتے ہیں کہ جب ان کو وہ یاد دلائی جاتی ہیں، تو سجدے میں گر پڑتے ہیں اور اپنے پروردگار کی حمد و ثنا کے ساتھ تسبیح و تقدیس کرتے ہیں اور وہ کسی طرح کا تکبر اور بڑائی نہیں کرتے۔ رات کو جب سوتے ہیں تو ان کے پہلو بستروں سے آشنا نہیں ہوتے اور امید و بیم کے عالم میں کروٹیں لے کر اپنے پروردگار سے دعائیں مانگتے رہتے ہیں۔

ان کو پیش گاہ الٰہی سے اطاعت و شکر گزاری کے جشن کے لیے دو دن ملے تھے۔ پہلا دن (عید الفطر) کا تھا۔ یہ اس ماہ مقدس کے اختتام اور افضال الٰہی کے دورِ جدید کے اولین یوم کا جشن تھا۔ جس میں سب سے پہلے خدا تعالیٰ نے اپنے کلام سے ان کو مخاطب فرمایا:

شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِي أُنْزِلَ فِيهِ الْقُرْآنُ (۲:۱۸۵)

رمضان کا مہینہ جس میں قرآن کریم اول اول نازل کیا گیا۔

اسی مہینے کے آخری عشرے میں سب سے پہلے انہیں وہ نور صداقت اور کتاب مبین دی گئی جس نے انسانی معتقدات و اعمال کی تمام ظلمتوں کو دور کیا اور ایک روشن اور سیدھی راہ دنیا کے آگے کھول دی:

قَدْ جَاءَكُمْ مِنَ اللَّهِ نُورٌ وَكِتَابٌ مُبِينٌ. يَهْدِي بِهِ اللَّهُ مَنِ اتَّبَعَ رِضْوَانَهُ سُبُلَ السَّلَامِ (۵:۱۵-۱۶)

بے شک! خدا کی طرف سے تمہارے پاس (قرآن) ایک روشنی اور کھلی ہدایت بخشنے والی کتاب بھیجی گئی۔ اللہ اس کے ذریعے اپنی رضا چاہنے والوں کو سلامتی کی راہوں پر ہدایت کرتا ہے۔

انسانی ضمیر کی روشنی جبکہ ظلمتِ ضلالت سے چھپ گئی تھی، فطرت کے حسن اصلی پر جب

انسان نے بداعمالیوں کے پردے ڈال دیے تھے، قوانین الٰہی کا احترام دنیا سے اٹھ گیا تھا اور طغیان وسرکشی کے سیلاب میں خدا کے رسولوں کی بنائی ہوئی عمارتیں بہہ رہی تھیں۔

ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَ الْبَحْرِ بِمَا كَسَبَتْ اَيْدِي النَّاسِ (۳۰:۴۱)

خشکی اور تری دونوں میں انسانوں کے اعمال بد کی وجہ سے فساد پھیل گیا۔

اس وقت یہ پیغام صداقت دنیا کے لیے نجات اور ہدایت کی ایک بشارت بن کر آیا، اس نے جہل و باطل پرستی کی غلامی سے دنیا کو دائمی نجات دلائی، افضال ونعائم الٰہیہ کے فتح یاب کا مژدہ سنایا، نئی عمارت گو خود نہیں بنائی مگر پرانی عمارتوں کو ہمیشہ کے لیے مضبوط کر دیا۔ نئی تعلیم گو نہیں لایا لیکن پرانی تعلیموں میں بقائے دوام کی روح پھونک دی۔ مختصر یہ ہے کہ فطرت اور نوامیس فطرت کی گم شدہ حکومت پھر قائم ہوگئی:

فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِيْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا لَا تَبْدِيْلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ وَ لٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ (۳۰:۳۰)

یہ خدا کی بنائی ہوئی سرشت ہے جس پر خدا نے انسان کو پیدا کیا ہے۔ خدا کی بنائی ہوئی بناوٹ میں ردو بدل نہیں ہوسکتا، یہی (راہ فطرت) دین کا سیدھا راستہ ہے مگر اکثر آدمی ہیں، اس کو جو نہیں سمجھتے۔

یہی مہینہ تھا، جس میں دنیا کے روحانی نظام پر ایک عظیم الشان انقلاب طاری ہوا، اسی مہینے میں وہ عجیب وغریب رات آئی تھی، جس نے اس انقلاب عظیم کا ہمیشہ کے لیے ایک اندازہ، صحیح کر کے فیصلہ کر دیا تھا اور اسی لیے وہ (لیلۃ القدر) تھی اس کی نسبت فرمایا کہ وہ گذشتہ رسولوں کی ہدایتوں کے ہزار مہینوں سے افضل ہے، کیونکہ ان مہینوں کے اندر دنیا کو جو کچھ دیا گیا تھا، وہ سب کچھ مع خدا کی نئی نعمتوں اور عطا کردہ فضیلتوں کے اس رات کے اندر بخش دیا گیا:

اِنَّا اَنْزَلْنٰهُ فِيْ لَيْلَةِ الْقَدْرِ ۔ وَمَا اَدْرٰكَ مَا لَيْلَةُ الْقَدْرِ ۔ لَيْلَةُ الْقَدْرِ خَيْرٌ مِّنْ اَلْفِ شَهْرٍ (۹۷: ۱-۳)

قرآن کریم نازل کیا گیا لیلۃ القدر میں اور تم جانتے ہو کہ لیلۃ القدر کیا ہے؟ وہ ایک ایسی

رات ہے جو دنیا کے ہزار مہینوں پر فضیلت رکھتی ہے۔

یہی رات تھی جس میں ارض الٰہی کی روحانی اور جسمانی خلافت کا ورثہ ایک قوم سے لے کر دوسری قوم کو دیا گیا اور یہ اس قانون الٰہی کے ماتحت ہوا، جس کی خبر داؤد علیہ السلام کو دی گئی تھی:

وَلَقَدْ كَتَبْنَا فِي الزَّبُوْرِ مِنْ بَعْدِ الذِّكْرِ اَنَّ الْاَرْضَ يَرِثُهَا عِبَادِيَ الصّٰلِحُوْنَ (۲۱: ۱۰۵)

اور ہم نے (زبور) میں پند و نصیحت کے بعد لکھ دیا تھا کہ بیشک زمین کی خلافت کے ہمارے صالح بندے وارث ہونگے۔

اس قانون کے مطابق دو ہزار برس تک (بنی اسرائیل) زمین کی وراثت پر قابض رہے اور خدا نے ان کی حکومتوں، ان کے ملکوں اور ان کے خاندان کو تمام عالم پر فضیلت دی:

يٰبَنِيْ اِسْرَآءِيْلَ اذْكُرُوْا نِعْمَتِيَ الَّتِيْ اَنْعَمْتُ عَلَيْكُمْ وَاَنِّيْ فَضَّلْتُكُمْ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ (۲: ۴۷)

اے بنی اسرائیل ان نعمتوں کو یاد کرو، جو ہم نے تم پر انعام کیں اور (نیز) ہم نے تم کو (اپنی خلافت دے کر) تمام عالم پر فضیلت بخشی۔

یہی مہینہ اور یہی لیلۃ القدر تھی، جس میں اسی الٰہی قانون کے مطابق نیابت الٰہی کا ورثہ (بنی اسرائیل) سے لے کر (بنی اسماعیل) کو سپرد کیا گیا۔ وہ پیمانِ محبت جو خداوند نے بیابان میں (اسحاق علیہ السلام) سے باندھا تھا، وہ پیغام بشارت جو (یعقوب علیہ السلام) کے گھرانے کو کنعان سے ہجرت کرتے ہوئے سنایا گیا تھا، وہ الٰہی رشتہ جو (کوہ سینا) کے دامن میں خدائے ابراہیم و اسحاق (علیہم السلام) نے (بزرگ موسیٰ علیہ السلام) کی امت سے جوڑا تھا، اور سرزمین فراعنہ کی غلامی سے ان کو نجات دلائی تھی۔ خدا کی طرف سے نہیں بلکہ خود ان کی طرف سے توڑ دیا گیا تھا۔ (داؤد علیہ السلام) کے بنائے ہوئے (ہیکل) کا دورِ عظمت ختم ہو چکا تھا اور وہ وقت آ گیا تھا کہ اب (اسماعیل علیہ السلام) کی چنی ہوئی دیواروں پر خدا کا تخت جلال دوبارہ بچھایا جائے۔ یہ نصب و عزل، عزت و ذلت، قرب و بعد اور ہجر و وصال کی رات تھی،

جس میں ایک محروم اور دوسرا کامیاب ہوا، ایک کو دائمی ہجر کی سرگشتگی اور دوسرے کو ہمیشہ کے لیے وصل کی کامرانی عطا کی گئی۔ ایک کا بھرا ہوا دامن خالی ہوگیا مگر دوسرے کی آستین افلاس بھر دی گئی ایک پر قہر وغضب کا عتاب نازل ہوا:

ضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ وَ الْمَسْكَنَةُ وَ بَآءُوْ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ (٢:٦١)

بنی اسرائیل کو (ان کی نافرمانیوں) کی سزا میں ذلت اور محتاجی میں مبتلا کر دیا گیا اور اللہ کے بھیجے ہوئے غضب میں آ گئے۔

لیکن دوسرے کو اس محبت کے خطاب سے سرفراز کیا:

وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ (٢٤:٥٥)

تم میں سے جو لوگ ایمان لائے اور عمل بھی اچھے کیے، خدا کا ان سے وعدہ ہے کہ ان کو زمین کی خلافت بخشے گا جس طرح ان سے پیشتر کی قوموں کو اس نے بخشی تھی۔

یہ اس لیے ہوا کہ زمین کی وراثت کے لیے "عبادی الصالحون" کی شرط لگادی تھی۔ بنی اسرائیل نے خدا کی نعمتوں کی قدر نہ کی، اس کی نشانیوں کو جھٹلایا، اس کے احکام سے سرتابی کی، اس کی بخشی ہوئی اعلیٰ نعمتوں کو اپنے نفس ذلیل کی بتلائی ہوئی ادنیٰ چیزوں سے بدل دینا چاہا۔

اَتَسْتَبْدِلُوْنَ الَّذِيْ هُوَ اَدْنٰى بِالَّذِيْ هُوَ خَيْرٌ (٢:٦١)

خدا کی دی ہوئی اعلیٰ نعمتوں کے بدلے تم ایسی چیزوں کے طالب ہو جو ان کے مقابلے میں نہایت ادنیٰ ہیں؟

خدائے قدوس کی زمین کثافت اور گندگی کے لیے نہیں ہے۔ وہ اپنے بندوں میں سے جماعتوں کو چن لیتا ہے تاکہ اس کی طہارت کے لیے ذمہ دار ہوں لیکن جب خود ان کا وجود زمین کی طہارت ونظافت کے لیے گندگی ہو جاتا ہے، تو غیرت الٰہی اس بار آلودگی سے اپنی زمین کو ہلکا کر دیتی ہے۔ بنی اسرائیل نے اپنے عصیان وتمرد سے ارض الٰہی کی طہارت کو جب داغ لگادیا، تو اس کی رحمت غیور نے کوہ سینا کے دامن کی جگہ (بوقبیس) کی وادی کو اپنا گھر بنایا اور (شام) کے

مرغزاروں سے روٹھ کر (حجاز) کے ریگستان سے اپنا رشتہ قائم کیا، تاکہ آزمایا جائے کہ یہ نئی قوم اپنے اعمال سے کہاں تک اس مذہب کی اہلیت ثابت کرتی ہے؟

ثُمَّ جَعَلْنٰكُمْ خَلٰٓئِفَ فِي الْاَرْضِ مِنْۢ بَعْدِهِمْ لِنَنْظُرَ كَيْفَ تَعْمَلُوْنَ (۱۰:۱۴)

اور بنی اسرائیل کے بعد پھر ہم نے تم کو زمین کی وراثت دی تاکہ دیکھیں کہ تمہارے اعمال کیسے ہوتے ہیں؟

پس یہ مہینہ بنی اسرائیل کی عظمت کا اختتام اور مسلمانوں کے اقبال کا آغاز تھا، اور اس نئے دورِ اقبال کا پہلا مہینہ (شوال) سے شروع ہوتا تھا، اس لیے اس کے یوم ورود کو (عید الفطر) کا جشن ملی قرار دیا تاکہ افضال الٰہی کے ظہور اور قرآن کریم کے نزول کی یاد ہمیشہ قائم رکھی جائے اور اس احسان و اعزاز کے شکریے میں تمام ملت مرحومہ اس کے سامنے سربسجود ہو:

وَاذْكُرُوْٓا اِذْ اَنْتُمْ قَلِيْلٌ مُّسْتَضْعَفُوْنَ فِي الْاَرْضِ تَخَافُوْنَ اَنْ يَّتَخَطَّفَكُمُ النَّاسُ فَاٰوٰىكُمْ وَاَيَّدَكُمْ بِنَصْرِهٖ وَرَزَقَكُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ (۸:۲۶)

اور اس وقت کو یاد کرو جب مکہ میں تم نہایت کم تعداد اور کمزور تھے اور ڈرتے تھے کہ کہیں لوگ تمہیں زبردستی پکڑ کے اڑا نہ لے جائیں لیکن خدا نے تم کو جگہ دی، اپنی نصرت سے مدد کی، عمدہ رزق تمہارے لیے مہیا کر دیا اور یہ اس لیے تھا تاکہ تم شکر ادا کرو۔

مگر یہ عید الفطر کا جشن ملی! یہ ورود ذکر و رحمت الٰہی کی یادگار! یہ سربلندی و افتخار کی بخشش کا یادآور! یہ یوم کامرانی و فیروزی و شادمانی! اس وقت تک کے لیے عیش و سرور کا دن تھا، جب تک ہمارے سر تاج خلافت سے سربلند ہونے کے لیے اور جسم خلعت نیابت سے متعزز ہونے کے لیے تھی۔ عزت و عظمت جب ہمارے ساتھ تھی اور اقبال و کامرانی ہمارے آگے دوڑتی تھی۔ خدا کی نعمتوں کا ہم پر سایہ تھا اور اللہ کی بخشی ہوئی خلافت کے تخت جلال پر متمکن تھے لیکن اب ہمارے اقبال و کامرانی کا تذکرہ صرف صفحات تاریخ کا ایک افسانہ ماضی رہ گیا ہے۔

ہماری موجودہ صورت حال

دنیا کی اور قومیں ہمارے لیے وسیلۂ عبرت تھیں لیکن اب خود ہمارے اقبال و ادبار کی حکایت اوروں کے لیے مثالِ عبرت ہے۔ ہم نے خدا کی دی ہوئی عزت و کامرانی کو ہوائے نفس کی بتلائی ہوئی راہ مذلت سے بدل لیا، اس کے عطا کیے ہوئے منصب خلافت کی قدر نہ پہچانی اور زمین کی وراثت و نیابت کا خلعت ہم کو راس نہ آیا۔ اب ہماری عید کی خوشیوں کے دن گئے، عیش و عشرت کا دور ختم ہو گیا۔ ہم نے بہت سی عیدیں تخت حکومت و سلطنت پر دیکھیں اور ہزاروں شادیانے سر پر خلافت کے آگے بجوائے۔ ہم پر صدہا عیدیں ایسی گزریں جب دنیا کی قومیں ہمارے سامنے سر بسجود تھیں اور عظمت و شوکت کے تخت الٹے ہوئے ہمارے سامنے تھے۔ اب عید کے عیش و طرب کی صحبتیں ان قوموں کو مبارک ہوں، جن کی عبرت و تنبیہ کے لیے اب تک ہمارا وجود بار زمین ہے۔ ان کو خوش نصیب سمجھیے جو اپنے دور اقبال کے ساتھ خود بھی مٹ گئے۔ ہمارا اقبال جا چکا ہے مگر ہم خود اب تک دنیا میں باقی ہیں۔ شاید اس لیے کہ غیروں کے طعنے سنیں اور اپنی ذلت و خواری پر آنسو بہا کر قوموں کے لیے وجود عبرت ہوں:

در کار ما ست نالہ و من در ہوائے او

پرانہ چراغ مزار خودیم ما

اس دن کی یادگار ہمارے لیے جشن و طرب کا پیام تھی کیونکہ یہی دن ہمارے صحیفۂ اقبال کا صفحہ اولین تھا اور اسی تاریخ سے ہمارے ہاتھوں قرآنی حکومت کا دور جدید قلوب و اجسام کی زمین پر شروع ہوا تھا۔ اس دن کا طلوع ہم کو یاد دلاتا تھا کہ بداعمالیوں نے کیونکر بنی اسرائیل کو دو ہزار سالہ عظمت سے محروم کیا اور اعمال حسنہ کے شرف و افتخار نے کیونکر ہمیں برکات الٰہی کا مہبط و مورد بنایا؟ اس دن کا آفتاب جب نکلتا تھا تو ہمیں خبر دیتا تھا کہ کس طرح خدا کی زمین نافرمانوں کی ظلمت سے تاریک ہو گئی تھی اور پھر کس طرح ہمارے اعمال کی روشنی افق عالم پر نیر درخشاں بن کر نمودار ہوئی تھی؟ لیکن:

فَخَلَفَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ خَلْفٌ اَضَاعُوا الصَّلٰوةَ وَ اتَّبَعُوا الشَّهَوٰتِ فَسَوْفَ يَلْقَوْنَ غَيًّا (۱۹: ۵۹)

پھر ان کے بعد ایسے ناخلف پیدا ہوئے جنہوں نے خدا کی عبادت کو ضائع کر دیا اور نفسانی خواہشوں کے پیچھے پڑ گئے، پس بہت جلد ان کی گمراہی ان کے آگے آئے گی۔

اب یہ روز یادگار اگر یادگار ہے، تو عیش و شادمانی کے لیے نہیں بلکہ حسرت و نامرادی کے لیے۔ اگر یادآورِ واقعات ہے، تو عطاو بخشش کی فیروزمندی کے لیے نہیں بلکہ ناقدری و کفرانِ نعمت کی مایوسی و حسرت سنجی کے لیے۔ پہلے اس کامرانی کی یاد تھی کہ ہم دولت قبولیت سے سرفراز ہوئے مگر اب اس نامرادی کی حسرت کو تازہ کرتا ہے کہ ہم نے اس کی قدر نہ کی اور ذلت و عقوبت سے دوچار ہیں۔ پہلے اس وقت سعادت کی یاد تازہ کرتا تھا، جو ہماری دولت و اقبال کا آغاز تھا اور اب اس دور مسکنت و ذلت کا زخم تازہ کرتا ہے، جو ہماری عزت و کامرانی کا انجام ہے۔ پہلے یکسر جشن و نشاط تھا مگر اب یکسر ماتم و حسرت ہے۔ جشن تھا تو (قرآن کریم) کے نزول کی یادگار کا، جس نے پہلے ہی دن اعلان کر دیا تھا کہ:

يَآَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ تَتَّقُوا اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّكُمْ فُرْقَانًا (۸:۲۹)

مسلمانو! اگر تم خدا سے ڈرتے رہے (اور اس کے احکام سے سرتابی نہ کی) تو وہ تمام عالم میں تمہارے لیے ایک امتیاز پیدا کر دے گا۔

اور اب ماتم ہے تو اسی قرآن کی اس پیشین گوئی کے ظہور کا کہ:

مَنْ اَعْرَضَ عَنْ ذِكْرِيْ فَاِنَّ لَهٗ مَعِيْشَةً ضَنْكًا (۲۰:۱۲۴)

اور جس نے ہمارے ذکر سے روگردانی کی اس کی زندگی دنیا میں تنگ ہو جائے گی۔

پہلے اس کی (بشارت) کو یاد کر کے جشن مناتے تھے اور اب وہ وقت ہے کہ اس کی (وعید) کے نتائج کو گردوپیش دیکھ کر عبرت پکڑیں۔ اب عید کا دن ہمارے لیے عیش و نشاط کا دن نہیں رہا، البتہ عبرت اور موعظت کی ایک یادگار ضرور ہے:

وَ كَذٰلِكَ اَنْزَلْنٰهُ قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا وَّ صَرَّفْنَا فِيْهِ مِنَ الْوَعِيْدِ لَعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ اَوْ يُحْدِثُ لَهُمْ ذِكْرًا (۲۰:۱۱۳)

ایسا ہی ہم نے قرآن کو عربی زبان میں نازل کیا اور اس میں طرح طرح کی وعیدیں درج کیں تاکہ لوگ پرہیزگاری اختیار کریں یا اس کے ذریعے سے ان کے دلوں میں عبرت اور فکر پیدا ہو۔

جشنِ عزیز اور قومی زندگی

دنیا میں عیش کی گھڑیاں کم میسر آتی ہیں۔ پھر سال بھر کے اس تنہا جشن کو کیوں نہ عزیز رکھا جائے؟ میں بھی نہیں چاہتا کہ آپ عید کی خوشیوں میں سرمست عیش ونشاط ہوں اور میں افسانۂ غم چھیڑ کر کو آپ کے لذت عیش کو منغص کردوں۔ مگر یقین کیجئے کہ اپنے دل اندوہ پرست کی بے قراریوں سے مجبور ہوں۔ قاعدہ ہے کہ ایک غمگین دل کے لیے عیش کی گھڑیوں سے بڑھ کر اور کوئی وقت غم کے حوادث کا یاد آور نہیں ہوتا۔ ایک غمزدہ ماں جو سال بھر کے اندر اپنے کئی فرزندوں کو کھو چکی ہو اگر عید کے دن اس کو اپنی بقیہ اولاد کے چہرے دیکھ کر خوشی ہوگی تو ایک ایک کر کے اس کے گم گشتہ لخت جگر بھی سامنے آ جائیں گے۔ ایک بدبخت جو اپنا تمام مال ومتاع غفلت و بے ہوشی میں ضائع کر چکا ہو، عید کے دن جب لوگوں کی زریں قباؤں اور پر جواہر کلاہوں کو دیکھے گا، تو ممکن نہیں کہ اس کو اپنی کھوئی ہوئی دولت کے ساز وسامان یاد نہ آ جائیں۔ دیکھتا ہوں تو یہ جشن کی عیدیں عیش ومسرت کا پیام نہیں بلکہ یادآور درد وحسرت ہیں۔ آہ! کیا دنیا میں غفلت وسرشاری کی حکومت ہمیشہ سے ایسی ہی ہے؟ کیا دنیا میں ہمیشہ نیند زیادہ اور بیداری کم رہی ہے؟ یہ لوگوں کو کیا ہو گیا کہ ایک دن کی خوشیوں میں بے خود ہو کر ہمیشہ کے ماتم واندوہ کو بھول گئے ہیں؟ بزم جشن کی تیاریاں کس کے لیے، جبکہ دنیا اب ہمارے لیے ایک دائمی ماتم کدہ بن گئی ہے؟ عیش ونشاط کی بزموں کو آگ لگا دیجئے، عید کے قیمتی کپڑوں کو چاک چاک کر ڈالیے، عطر کی شیشیوں کو اپنے بخت زبوں کی طرح الٹ دیجئے اور اس کی جگہ مٹھیوں میں خاک دگر دبھر بھر کر اپنے سرو سینے پر اوڑا دیئے۔ زریں کلاہوں اور ریشمیں قباؤں کے پہننے کے دن اب گئے:

ما خانہ امیدگان طلسمیم
پیغام خوش از دیار ما نیست

لیکن اس طلسم سرائے ہستی کی ساری رونق انسان کی غفلت وسرشاری سے ہے۔ ممکن ہے کہ جشن عید کے ہنگاموں میں غم واندوہ کی یہ آہیں آپ کے کانوں تک نہ پہنچیں۔ تاہم اس کو تو نہ بھولیے کہ پیروان اسلام کا حلقہ صرف آپ ہی کے وطن ومقام پر محدود نہیں، وہ ایک عالمگیر برادری ہے، جس میں چین کی دیوار سے لے کر افریقہ کے صحرا تک چالیس کروڑ انسان ایک ہی رشتے کی زنجیر میں منسلک ہیں۔ اگر (طرابلس) میں قتیلان ظلم وستم کی لاشیں تڑپ رہی ہیں تو یہ عیش پرستی ایک لعنت ہے، جو آپ کو عید کی خوشیوں میں سرمست کر رہی ہے۔ اگر (ایران) میں آپ کے اخوان ملت کو جرم وطن پرستی میں پھانسیاں دی جا رہی ہیں، تو وہ آنکھیں پھوٹ جائیں جو ہندوستان میں اشکبار نہ ہوں۔ اگر (مراکو) میں (اسلام) کا آخری نقش حکومت مٹ رہا ہے، تو کیوں نہیں ہندوستان کے عیش کدوں میں آگ لگ جاتی؟ اسلام کی اخوت عمومی تمیز قوم ومرز بوم سے پاک ہے اور اس کا ایک ہی خدا اپنے ایک ہی آسمان کے نیچے تمام پیروان توحید کو ایک جسم واحد کی صورت میں دیکھنا چاہتا ہے:

اِنَّ هٰذِهٖٓ اُمَّتُكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً ۖ وَّاَنَا رَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْنِ (۹۲:۲۱)

پس جسم اسلام کا ایک عضو درد سے بے قرار ہے، تو تمام جسم کو اس کی تکلیف محسوس ہونی چاہیے۔ اگر زمین کے کسی حصے میں مسلمانوں کا خون بہہ رہا ہے تو تعجب ہے اگر آپ کے چہرے پر آنسو بھی نہ بہیں۔ اگر غفلت کی سرمستیوں نے پچھلے حوادث بھلا دیے ہیں، تو آج بھی جو کچھ ہو رہا ہے آپ کے وقف ماتم ہو جانے کے لیے کافی ہے۔

قومی زندگی کی مثال بالکل افراد واشخاص کی سی ہے۔ بچپنے سے لے کر عہد شباب تک کا زمانہ ترقی ونشو ونما وعیش ونشاط کا دور ہوتا ہے۔ ہر چیز بڑھتی ہے اور ہر وقت میں افزائش ہوتی ہے۔ جو دن آتا ہے، طاقت وتوانائی کا ایک نیا پیام لاتا ہے طبیعت جوش وامنگ کے نشے میں ہر وقت مخمور رہتی ہے اور اس سرخوشی وسرور میں جس طرف نظر اٹھتی ہے، فرحت وانبساط کا ایک بہشت زار سامنے آجاتا ہے۔ اس طلسم زار ہستی میں انسان سے باہر نہ غم کا وجود ہے اور نہ نشاط کا، البتہ ہمارے پاس دو آنکھیں ضرور ایسی ہیں جو اگر غمگین ہوں، تو

کائنات کا ہر ظہور غم آلودہ ہے اور اگر مسرور ہوں، تو ہر منظر مرقع انبساط ہے۔ عہد شباب و جوانی میں آنکھیں سرمست ہوتی ہیں اور دل جوش و امنگ سے متوالا۔ غم کے کانٹے بھی تلوے میں چبھتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ فرش گل پر سے گزر رہے ہیں۔ خزاں کی افسردگی بھی سامنے آتی ہے، تو نظر آتا ہے کہ عروس بہار سامنے آکر کھڑی ہوگئی ہے۔ دل جب خوش ہو، تو ہر شے کیوں نہ خوش نظر آئے؟

لیکن بڑھاپے کی حالت اس سے بالکل مختلف ہوتی ہے۔ پہلے جو چیزیں بڑھتی تھیں، اب روز بروز گھٹنے لگتی ہیں۔ جن قوتوں میں ہر روز افزائش ہوتی تھی، اب روز بروز اضمحلال ہوتا ہے۔ طاقت جواب دے دیتی ہے اور عیش و مسرت کنارہ کش ہو جاتے ہیں۔ جو دن آتا ہے، موت و فنا کا ایک نیا پیغام لاتا ہے اور جو دن گزرتا ہے، حسرت و آرزو کی ایک یاد چھوڑ جاتا ہے۔ دنیا کے سارے عیش و عشرت کے جلوے دل کی عشرت کامیوں سے تھے، لیکن دل کے بدلنے سے آنکھیں بھی بدل جاتی ہیں۔ پہلے غم کی تصویر بھی شادمانی کا مرقع نظر آتی تھی، اب خوشی کے شادیانے بھی بجتے ہیں، تو ان میں سے درد و اندوہ کی صدائیں سنائی دیتی ہیں۔

قوموں کی زندگی اور خوشی کے تہوار

قوموں کی زندگی کا بھی یہی حال ہے۔ ایک قوم پیدا ہوتی ہے، بچپنے کا عہد بے فکری کاٹ کر جوانی کی طاقت آزمائیوں میں قدم رکھتی ہے۔ یہ وقت کاروبار زندگی کا اصلی دور اور قومی صحت و تندرستی کا عہد نشاط ہوتا ہے۔ جہاں جاتی ہے اوج و اقبال اس کے ساتھ ہوتا ہے اور جس طرف قدم اٹھاتی ہے دنیا اس کے استقبال کے لیے دوڑتی ہے۔ لیکن اس کے بعد جو زمانہ آتا ہے اس کو "پیری و صد عیب" کا زمانہ سمجھیے۔ قوتیں ختم ہونے لگتی ہیں اور چراغ میں تیل کم ہونا شروع ہو جاتا ہے۔ طرح طرح کے اخلاقی و تمدنی عوارض روز بروز پیدا ہونے لگتے ہیں، جمعیت و اتحاد کا شیرازہ بکھر جاتا ہے، اجتماعی قوتوں کا اضمحلال نظام ملت کو ضعیف و کمزور کر دیتا ہے۔ وہی زمانہ جو کل تک اس کی جوانی کی طاقت کے آگے دم بخود تھا، آج اس کے بستر پیری کے ضعف و

نقاہت کو دیکھتا ہے، تو ذلت وحقارت سے ٹھکرا دیتا ہے۔ (قرآن کریم) نے اسی قانون خلقت کی طرف اشارہ کیا ہے:

اَللّٰهُ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ مِّنْ ضُعْفٍ ثُمَّ جَعَلَ مِنْۢ بَعْدِ ضُعْفٍ قُوَّةً ثُمَّ جَعَلَ مِنْۢ بَعْدِ قُوَّةٍ ضُعْفًا وَّ شَیْبَةً یَخْلُقُ مَا یَشَآءُ وَ هُوَ الْعَلِیْمُ الْقَدِیْرُ

(۳۰:۵۴)

اللہ وہ قادر مطلق ہے جس نے تم کو کمزور حالت میں پیدا کیا، پھر بچپنے کی کمزوری کے بعد جوانی کی طاقت دی پھر طاقت کے بعد دوبارہ کمزوری اور بڑھاپے میں ڈال دیا۔ وہ جس حالت کو چاہتا ہے پیدا کر دیتا ہے اور وہی تمہاری تمام حالتوں کا علیم اور ہر حال کا ایک اندازہ کر دینے والا ہے۔

شاید ہماری جوانی کا عہد ختم ہو چکا۔ اب ''صدعیب'' پیری کی منزل سے گزر رہے ہیں۔ ہمارا بچپن جس قدر حیرت انگیز اور جوانی کی طاقتیں جس درجہ زلزلہ انگیز تھیں، دیکھتے ہیں تو بڑھاپے کے ضعف ونقاہت کو بھی اتنا ہی تیز پاتے ہیں۔ شاید اس کے بعد اب منزل فنا درپیش ہے۔ چراغ تیل سے خالی ہوتا جاتا ہے اور چولہا خاکستر سے بھرتا جاتا ہے۔ گذشتہ باتوں کی صرف ایک یاد رہ گئی ہے اور جوانی کے افسانے خواب وخیال معلوم ہوتے ہیں۔ لیکن اگر ہمیں مٹنا ہی ہے تو مٹنے میں دیر کیوں ہے؟ صبح فنا آ گئی ہے تو شمع سحر کو بجھ ہی جانا چاہیے۔ جس بزم اقبال وعظمت میں اب ہمارے لیے جگہ نہیں رہی، بہتر ہے کہ اوروں کے لیے اسے خالی کر دیں۔ ہم نے ایک ہزار برس سے زیادہ عرصے تک دنیا میں زندگی کے اچھے برے دن کاٹے اور ہر طرح کی لذتیں چکھ لیں۔ حکمرانی کے تخت پر بھی رہے اور محکومی کی خاک پر بھی لوٹے۔ علم کی سرپرستی بھی کی اور جہل کی رفاقت میں بھی رہے۔ جب عیش وعشرت کی بزم آرائیوں میں تھے تو اپنی نظیر نہیں رکھتے تھے اور اب حسرت و آرزو کے غمکدے میں ہیں، تو اس میں بھی ایک شان یکتائی رکھتے ہیں۔ زمانہ نے ہمارے مٹانے کا فیصلہ کر لیا ہے تو اب دیر نہ کرے لیکن اگر ہم مٹ جائیں گے مگر ہمارے بٹھائے ہوئے نقشوں کا مٹانا آسان نہ ہوگا۔ تاریخ ہم کو کبھی نہ بھلا سکے گی اور ہمارا افسانہ عبرت ہمیشہ مسافرانِ عالم کو یاد آ

آ کر خون کے آنسو رلائے گا:

گو کہ ہم صفحہ ہستی پہ تو ایک حرف غلط
لے کر اٹھے بھی تو ایک نقش بٹھا کے اٹھے

رات کے پچھلے پہر کی تاریکی اور سناٹے میں یہ سطریں لکھ رہا ہوں۔ میرا قلب مضطر، اور آنکھیں اشکبار ہیں۔ آفتاب عید کے اشتیاق میں خفتگان انتظار کروٹیں بدل رہے ہیں، مگر میری نظر ایک جھلملاتے ہوئے تارے پر ہے۔ دیکھتا ہوں تو یاس وناامیدی کی رات گو تاریک ہے، مگر پھر بھی ہماری امید کے افق پر ایک آخری ستارہ جھلملا رہا ہے۔ جن آنکھوں سے ہم نے خشک درختوں کو کٹتے دیکھا ہے، انہی آنکھوں نے خشک درختوں کو سرسبز وشاداب بھی ہوتے دیکھا ہے:

وَمِنْ اٰيٰتِهٖ يُرِيْكُمُ الْبَرْقَ خَوْفًا وَّطَمَعًا وَّيُنَزِّلُ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَيُحْيٖ بِهِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا ۚ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ (۳۰:۲۴)

اور خدا کی قدرت کی نشانیوں میں سے ایک یہ نشانی ہے کہ وہ تم کو ڈرنے اور امید کرنے کے لیے بجلی دکھلاتا ہے پھر آسمان سے پانی برساتا ہے اور اس کے ذریعے سے زمین کو اسکے مرنے کے بعد زندہ کر دیتا ہے۔ بے شک عقلمندوں کے لیے ان باتوں میں قدرت الٰہی کی بڑی بڑی نشانیاں ہیں۔

❋ ❋ ❋

عید الاضحیٰ

اسوۂ ابراہیمی و حقیقتِ اسلامی

فَلَمَّآ اَسْلَمَا وَتَلَّهٗ لِلْجَبِيْنِ. وَنَادَيْنٰهُ اَنْ يّٰٓاِبْرٰهِيْمُ. قَدْ صَدَّقْتَ الرُّؤْيَا اِنَّا كَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ. اِنَّ هٰذَا لَهُوَ الْبَلٰٓؤُا الْمُبِيْنُ. وَفَدَيْنٰهُ بِذِبْحٍ عَظِيْمٍ. وَتَرَكْنَا عَلَيْهِ فِي الْاٰخِرِيْنَ. سَلٰمٌ عَلٰٓي اِبْرٰهِيْمَ (۳۷:۱۰۳۔۱۰۹)

پھر جب ابراہیم اور اسماعیل دونوں اللہ کے آگے جھک گئے اور ابراہیم نے اسماعیل کو ذبح کرنے کے لیے ماتھے کے بل گرا دیا، تو ہم نے پکارا کہ اے ابراہیم! بس کرو! تم نے اپنے خواب کو سچا کر دکھایا، ہم ایسا ہی نیک بندوں کو ان کے ایثارِ نفس اور ندرت نفس و جان کا بدلہ دیا کرتے ہیں۔ بے شک یہ ایک نہایت کھلی ہوئی یعنی ظاہری آزمائش تھی اور ذبح اسماعیل کے فدیے میں ہم نے ایک بہت بڑی قربانی (یعنی سنت ابراہیمی کی یادگار میں تا قیامت جاری رہنے والی قربانی) دے دی اور تمام آنے والی امتوں میں اس واقعہ عظیمہ کے ذکر کو قائم کر دیا۔ پس سلام ہر راہ الٰہی میں اپنی قربانی کرنے والے ابراہیم خلیل پر!

ٹھیک اب سے پانچ ہزار دو سو تینتالیس برس پیشتر دنیا کے ایک گوشے میں کیسا عجیب و غریب انقلاب ہو رہا تھا! ایک ہولناک اور وحشت انگیز بیابان ریگ زار تھا، جس کی مہلک ریگ اور خشک سرزمین میں ہر طرف موت و ہلاکت پھیلی ہوئی تھی۔ ایک یکسر ''وادی غیر ذی زرع'' تھی، جس کی سطح بے نمو پر زندگی کی سبزی و شگفتگی کا نام و نشان تک نہ تھا لیکن رب السموات والارض کے دو مخلص بندے تھے، جنھوں نے انسانی زندگی کے لیے اسی صحرائے ہلاکت کو، آبادی کے لیے

اسی بیابانِ وحشت کو، فلاحت و زراعت کے لیے اسی سرزمین خشک سال کو اور خدائے واحد کی پرستش و عبادت کے لیے اسی صحرائی قربان گاہ کو منتخب کیا تھا۔ ان کے چاروں طرف صحرائے وحشت تھا مگر ان کے اوپر وہ خدائے حکیم و قدیر تھا، جو آبادیوں کا بخشنے والا اور زمینوں کی وراثت تقسیم کرنے والا ہے۔ ان کے ہاتھ میں پتھروں کے ٹکڑے تھے، جن کو ایک دیوار کی صورت میں جمع کرتے جاتے تھے اور زبان پر یہ دعائیں تھیں، جو ادھر زبان سے نکل رہی تھیں اور ادھر قوموں اور ملکوں کی قسمتوں کا فیصلہ ہو رہا تھا:

رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ؁ رَبَّنَا وَ اجْعَلْنَا مُسْلِمَيْنِ لَكَ وَ مِنْ ذُرِّيَّتِنَآ اُمَّةً مُّسْلِمَةً لَّكَ وَ اَرِنَا مَنَاسِكَنَا وَ تُبْ عَلَيْنَا اِنَّكَ اَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ؁ رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِكَ وَ يُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَ الْحِكْمَةَ وَ يُزَكِّيْهِمْ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ (۲:۱۲۷۔ ۱۲۹)

الٰہی! یہ ہمارے ہاتھ تیری پرستش اور تیرے جلال قدوسیت کے نام پر جو کچھ کر رہے ہیں اس کو قبول کر لے، بے شک تو ہی دعاؤں کا سننے والا اور نیتوں کا دیکھنے والا ہے! الٰہی! ہم کو اپنا مسلم اور اطاعت شعار بنا اور پھر ہماری نسل میں سے بھی ایک ایسی ہی امت پیدا کر جو ہماری طرح مسلم و مومن ہو! الٰہی! ہم کو اپنی عبادت و بندگی کے مقبول طریقے سمجھا دے اور ہمارے قصوروں سے درگزر کر کہ تو ہی بڑا درگزر کرنے والا اور تو ہی اپنے عاجز بندوں پر مہربان ہے! الٰہی! ہماری اس دعا کو بھی ان گھڑیوں میں قبول کر لے کہ جو قوم ہماری نسل سے پیدا ہو، ان میں اپنا ایک ایسا برگزیدہ رسول بھیجیو جو انہیں تیری آیتیں پڑھ کر سنائے علم و حکمت کی تعلیم دے اور ان کے نفوس و قلوب کی اصلاح کرے۔ الٰہی! ان تمام باتوں کا تجھی کو اختیار ہے اور تیری ہی تدبیر اصل تدبیر اور تیری ہی حکمت اصلی حکمت ہے!!

اللہ اکبر! وہ کیسا وقت تھا، جب کہ صدیوں اور ہزاروں برسوں کا فیصلہ چند لمحوں اور منٹوں کے اندر ہو گیا!!

اللہ اکبر! اللہ اکبر! لا الٰہ الا اللہ، واللہ اکبر! اللہ اکبر وللہ الحمد!!

حضرت ابراہیم علیہ السلام و حضرت اسماعیل علیہ السلام

یہ دعائیں ان کی زبانوں سے نکل رہی تھیں، جن میں سے ایک راہِ الٰہی میں اپنے جذبات اور ارادے کی قربانی کر چکا تھا اور دوسرا اپنے جان و نفس کی۔ دونوں نے اپنی محبوب ترین متاعوں کو راہِ الٰہی میں لٹا دیا تھا۔ ایک نے اپنے فرزندِ عزیز کو اور دوسرے نے اپنی جان عزیز کو، دونوں مجاہد فی سبیل اللہ تھے اور اس لیے دونوں ''مسلم'' تھے۔ خدا نے ان دونوں کی دعاؤں کو قبول کر لیا اور اس طرح قبول کیا کہ دنیا کے پانچ ہزار برس کے حوادث و انقلابات بھی ان کی قبولیت کی صداقت کو دھبہ نہ لگا سکے۔ وہ چند پتھروں سے چنی ہوئی چار دیواری، جس کے چاروں طرف انسانی ہستی کی کوئی علامت نہ تھی، کروڑوں انسانوں کی پرستش گاہ اور قبلۂ وجوہ بنی اور خدا کے جلال اور قدوسیت نے تمام عالم میں صرف اسی کی چھت کو اپنا نشیمن بنایا۔ داود علیہ السلام اور سلیمان علیہ السلام کا وہ عظیم الشان ہیکل، جس کو ہزاروں انسانوں کی سالہا سال کی محنت و مشقت نے لمبے لمبے ستونوں اور گنبدوں کا ایک شہر بنا دیا تھا، چند صدیوں تک بھی زندہ نہ رہ سکا اور وحشی حملہ آوروں نے بارہا اس کی عظیم الہیبۃ دیواروں کو غبار بنا کر اڑا دیا لیکن چند پتھروں سے چنی ہوئی اس چار دیواری کے گرد، دعائے ابراہیمی نے ایک ایسا آہنی حصار کھینچ دیا تھا کہ پانچ ہزار برس کے اندر انقلابات ارضیہ و سماویہ نے سمندروں کو جنگل اور انسانی آبادیوں کو سمندروں کے طوفانوں کی صورت میں بدل دیا، لیکن آج تک اس کی بنیادوں کو کوئی حادثہ اور کوئی مادی قوت صدمہ نہ پہنچا سکی، یہاں تک کہ تاریخ عالم میں وہی ایک سرزمین ہے، جس کی نسبت تاریخ دعویٰ کر سکتی ہے کہ اس کی مقدس اور محترم خاک آج تک غیر قوتوں کے گھوڑوں کی ٹاپوں سے محفوظ و مصوون ہے۔

اَوَلَمْ یَرَوْا اَنَّا جَعَلْنَا حَرَمًا اٰمِنًا وَّ یُتَخَطَّفُ النَّاسُ مِنْ حَوْلِهِمْ اَفَبِالْبَاطِلِ یُؤْمِنُوْنَ وَ بِنِعْمَةِ اللّٰهِ یَكْفُرُوْنَ۔ (۶۷:۲۹)

کیا ہماری اس قدرت کی نشانی کو لوگ نہیں دیکھتے کہ ہم نے حرم مکہ کو (جو ایک غیر معروف و

بے رونق خطہ تھا) امن اور حفاظت کا گھر بنا دیا اور ایک عالم نے اس کے اردگرد ہجوم کیا۔

پھر کیا لوگ باطل پر ایمان لاتے اور اللہ کی نعمتوں کو جھٹلاتے ہیں؟

اور اگر کسی قوم نے اس کی عزت و احترام کو مٹانا چاہا تو خدائے قدوس کے دست کبریائی نے خود اس قوم کو صفحۂ ہستی سے مٹا دیا:

اَلَمْ تَرَ كَيْفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِاَصْحٰبِ الْفِيْلِ. اَلَمْ يَجْعَلْ كَيْدَهُمْ فِيْ تَضْلِيْلٍ. وَّاَرْسَلَ عَلَيْهِمْ طَيْرًا اَبَابِيْلَ. تَرْمِيْهِمْ بِحِجَارَةٍ مِّنْ سِجِّيْلٍ. فَجَعَلَهُمْ كَعَصْفٍ مَّاْكُوْلٍ (۱۰۵: ۱-۵)

اے پیغمبر! کیا تم نے نہیں دیکھا کہ تمہارے پروردگار نے اس لشکر کے ساتھ کیا سلوک کیا، جو ہاتھیوں کا ایک غول لے کر مکہ پر حملہ آور ہوا تھا، کیا خدا نے ان کے تمام داؤ غلط نہیں کر دیے؟ اور ان پر عذاب کی خوستوں کے غول نازل نہیں کیے؟ جنہوں نے ان کو سخت بربادی میں مبتلا کر دیا جوان کے لیے لکھ دی گئی تھی۔ یہاں تک کہ پامال شدہ کھیت کی طرح تباہ ہو گئے۔

یہ اس دعا کے پہلے ٹکڑے کی قبولیت تھی۔ باقی دو التجاؤں کو جس طرح خدا تعالیٰ نے قبولیت بخشی، اس کی صداقت بھی اس بیت خلیل کی صداقت سے کم نہیں:

لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَ يُزَكِّيْهِمْ وَ يُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَ الْحِكْمَةَ وَ اِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ (۳: ۱۶۴)

بے شک اللہ نے مسلمانوں پر بڑا احسان کیا کہ (دعائے ابراہیمی کو قبول فرما کر) انہی میں سے ان کی طرف اپنا رسول بھیجا جو ان کو احکام الٰہی پڑھ کر سناتا ہے، ان کے نفوس کا تزکیہ کرتا ہے اور ان کو علم و حکمت کی تعلیم دیتا ہے حالانکہ اس سے پہلے وہ سخت جہل و گمراہی میں مبتلا تھے۔

اللہ اکبر! اللہ اکبر! لا الٰہ الا اللہ و اللہ اکبر! اللہ اکبر وللہ الحمد!!

قرآن کریم میں ایک بہت بڑا حصہ انبیائے سابقین کے قصص و اعمال کا ہے۔ اس کا عام اندازِ بیان یہ ہے کہ وہ پہلے ایک خاص تعلیم پیش کرتا ہے اور پھر اس تعلیم کی صداقت

کے لیے امم گزشتہ اور اعمال، انبیائے سابقہ کے حالات و واقعات سے ایک خطابی استدلال کرتا ہے تاکہ امتِ مرحومہ کے سامنے تعلیم اور اس کے عملی نمونے اور نتائج، دونوں موجود ہو جائیں۔

لیکن تمام قرآن میں اگر مسلمانوں کے سامنے کوئی کامل زندگی اور کسی زندگی کے از سرتاپا اعمال، بطور نمونے کے پیش کیے گئے ہیں اور ان کے اتباع کی دعوت دی گئی ہے، تو وہ صرف دو نمونے ہیں۔ خود شریعت اسلامیہ کے داعی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی نسبت فرمایا کہ:

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللّٰهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَن كَانَ يَرْجُوا اللّٰهَ وَ الْيَوْمَ الْاٰخِرَ وَ ذَكَرَ اللّٰهَ كَثِيرًا (۳۳:۲۱)

بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں تمہارے لیے کہ اللہ اور یوم آخرت سے ڈرتے ہو اور کثرت کے ساتھ اس کا ذکر کرنے والے ہو پیروی واتباع کے واسطے ایک بہترین نمونہ ہے۔

اور پھر ملت حنفی کے داعی اول حضرت ابراہیم خلیل اللہ علی نبینا وعلیہ السلام کی نسبت ارشاد ہوا:

قَدْ كَانَتْ لَكُمْ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ فِي إِبْرٰهِيمَ وَالَّذِينَ مَعَهُ (۶۰:۴)

بے شک تمہارے لیے ایک بہترین نمونہ عمل حضرت ابراہیم اور ان کے ساتھیوں کے اعمال زندگی میں ہے۔

پھر اسی رکوع میں حضرت ابراہیم علیہ السلام اور ان کے ساتھیوں کی تعلیم کی تشریح کر کے مکرر کہا کہ:

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيهِمْ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَن كَانَ يَرْجُوا اللّٰهَ وَالْيَوْمَ الْاٰخِرَ وَمَن يَتَوَلَّ فَإِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيدُ (۶۰:۶)

میں نے ہمیشہ اس امر پر غور کیا ہے کہ:

ا۔ تمام قرآن کریم میں بیسیوں انبیائے سابقین کے حالات واعمال بیان کیے گئے ہیں لیکن کسی کی تمام تر زندگی کو بطور ایک نمونے کے مسلمانوں کے سامنے پیش نہیں کیا، الا حضرت

ابراہیم علیہ السلام کی۔

۲۔ تمام قرآن میں ''اسوہ حسنہ'' کا لفظ صرف تین مقامات میں آیا ہے، اوّل سورہ احزاب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت اور پھر سورہ ممتحنہ میں دو مرتبہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی نسبت۔ اس کی علت کیا ہے؟

۳۔ سورہ احزاب اور سورہ ممتحنہ، دونوں سورتیں زیادہ تر احکامِ جہاد و قتال فی سبیل اللہ اور بعض مقاتلات کے نتائج و وردوِ ابتلاء و آزمائش و عجائباتِ نصرت الٰہیہ کے بیان سے مملو ہیں۔ پھر یہ دونوں آیتیں جن رکوعوں میں آئی ہیں، وہ بھی تمام تر ذکرِ جہاد پر مبنی ہیں، ضرور ہے کہ اس میں بھی کوئی علت ہو۔

۴۔ دونوں مقامات میں پوری مماثلت حتیٰ کہ اشتراک جزئیات بیان بھی موجود ہے، سورہ احزاب میں اس آیت کا وہ موقع ہے، جہاں جنگ احزاب یا جنگ خندق کے واقعات کا تذکرہ کیا ہے، اور زیادہ تر ان منافقین اور ضعیف القلب اشخاص کا حال بیان کیا ہے، جو اپنی تین ہزار کی جمعیت کے مقابلے میں حملہ آوروں کی بارہ ہزار مسلح اور متحدہ قوت دیکھ کر گھبرا اٹھے تھے۔ پھر اس نصرت الٰہی کا حوالہ دیا ہے، جس نے محصورین کو کامیاب کیا اور تمام حملہ آور ناکام و خاسر واپس گئے:

هُنَالِكَ ابْتُلِيَ الْمُؤْمِنُوْنَ وَ زُلْزِلُوْا زِلْزَالًا شَدِيْدًا ؏ (۳۳:۱۱)

بعینہٖ یہی حال سورہ ممتحنہ کے پہلے رکوع کا ہے۔ فتح مکہ سے پیشتر جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے چڑھائی کا ارادہ کیا، تو حاطب بن ابی بلتعہ نامی ایک صحابی تھے، جن کے اہل و عیال مکہ میں موجود تھے۔ انہوں نے پوشیدہ طور پر ان کو اطلاع دے دی کہ اپنے تحفظ کا انتظام کر رکھیں۔ وحی الٰہی سے یہ حال آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر منکشف ہوگیا اور آدمی دوڑا کر وہ خط راہ سے واپس منگوالیا، اس پر یہ سورہ نازل ہوئی:

يَآ اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا عَدُوِّيْ وَعَدُوَّكُمْ اَوْلِيَآءَ تُلْقُوْنَ اِلَيْهِمْ بِالْمَوَدَّةِ وَقَدْ كَفَرُوْا بِمَا جَآءَكُمْ مِّنَ الْحَقِّ (۶۰:۱)

مسلمانو! ان کافروں اور دشمنانِ توحید کو اپنا دوست نہ بناؤ جو ہمارے اور تمہارے، دونوں کے دشمن ہیں۔ (یہ کیسی بات ہے کہ) تم ان سے نامہ و پیام جاری رکھتے ہو؟ حالانکہ تمہارے پاس جو حق و صداقت اللہ کی طرف سے آئی، وہ اس سے انکار کر چکے ہیں؟

اسوہ ابراہیم علیہ السلام

حضرت ابراہیم علیہ السلام اور ان کے ساتھیوں کے ''اسوۂ حسنہ'' پر اسی رکوع میں توجہ دلائی گئی ہے۔ پھر آیات متعلق حرب و قتال و تشویق جہاد فی سبیل اللہ میں اس ''اسوۂ حسنہ'' پر توجہ دلانے کی کیا ضرورت تھی؟

اصل یہ ہے کہ قرآن کریم اسلام کی جس حقیقت کو دنیا کے آگے پیش کرنا چاہتا تھا، اس کے لحاظ سے اگر کوئی زندگی ''اسوۂ حسنہ'' ہو سکتی تھی، تو وہ صرف حضرت ابراہیم علیہ السلام ہی کی زندگی تھی۔ اسلام ایک صداقت ہے اور اس لیے دنیا میں اس وقت سے موجود ہے، جس وقت سے کہا جا سکتا ہے کہ دنیا میں صداقت ہے لیکن اس صداقتِ مبین کو ایک شریعت الٰہیہ کی صورت میں سب سے پہلے حضرت ابراہیم علیہ السلام ہی نے پیش کیا تھا اور یہی وجہ ہے کہ قرآن کریم نے ہر جگہ ان کو ملت حنفی کے اوّلین واعظ کی حیثیت سے پیش کیا ہے اور ان کی سب سے بڑی خصوصیت یہ بتلائی ہے کہ:

إِذْ قَالَ لَهُ رَبُّهُ أَسْلِمْ قَالَ أَسْلَمْتُ لِرَبِّ الْعَلَمِينَ (۱۳۱:۲)

جب حضرت ابراہیم سے ان کے پروردگار نے کہا کہ مسلم یعنی سچے فرماں بردار ہو جاؤ تو انہوں نے کہا کہ میں اسلام لایا تمام جہانوں کے پروردگار کے لیے۔

چونکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اسلام کے پہلے داعی تھے، اس لیے ان کا وجود یکسر پیکر اسلام تھا اور اپنے ہر عمل حیات کے اندر اسلام کی حقیقت کا ایک عملی نمونہ رکھتا تھا۔ وہ اسلام کے واعظ تھے اور واعظ کے لیے اوّلین شے یہ تھی کہ تعلیم کے ساتھ خود اپنی زندگی کا عملی نمونہ بھی پیش کر دے اور جن حقیقتوں کی طرف دنیا کو دعوت دیتا ہے، ان کو سب سے پہلے اپنے اوپر طاری کر دے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ان حقائق کو اپنے اُوپر طاری کیا، اس لیے ان کا ہر عمل ازسرتاپا صدائے اسلام تھا اور وہی پیروانِ اسلام کے لیے عملی نمونہ یا ''اسوۂ حسنہ'' ہو سکتا تھا۔ یہی سبب ہے کہ خدا تعالیٰ نے ان

کی زندگی کے تمام اعمال ہمیشہ کے لیے محفوظ کر دیے اور ان کے ذکر کو بقائے دوام عطا فرمایا۔ دنیا کے بڑے بڑے کشورستانوں، عظیم الشان فاتحوں، خشکیوں اور سمندروں پر حکمرانی کرنے والی قوموں کو ہم آثارِ قدیمہ کے کھنڈروں، بوسیدہ قبروں، قومی روایتوں اور تاریخ کے کہنہ اوراق میں ضرور دیکھ سکتے ہیں مگر تمام مجمع اولین و آخرین میں ایک انسانی ہستی بھی ایسی نہیں مل سکتی، جس کے اعمالِ حیات، صفحوں اور مٹی کے ڈھیروں میں نہیں بلکہ کروڑوں زندہ انسانوں کے اعمال کے اندر سے اپنی حیات کا ثبوت دے سکتے ہوں۔ ذی الحجہ کی نویں تاریخ کو دنیا کے سامنے ''اسوۂ ابراہیمی '' کی لازوال زندگی کا کیسا عجیب منظر ہوتا ہے، جب کہ تاریخ کئی ہزار برس آگے بڑھ کر لوٹتی ہے تاکہ اسلام کے واعظ اوّل کی زندگی کو ایک مرتبہ پھر دہرا دے۔ لاکھوں انسانوں کا مجمع ہوتا ہے، جن میں سے ہر وجود پیکر ابراہیم علیہ السلام بن جاتا ہے اور ''مقام خلت'' کی سلطنت، تعین اور تشخص کو فنا کر کے اس پورے مجمع کو ایک ''ابراہیم خلیل علیہ السلام'' کی صورت میں نمایاں کر دیتی ہے!

وَ وَهَبْنَا لَهُمْ مِنْ رَّحْمَتِنَا وَ جَعَلْنَا لَهُمْ لِسَانَ صِدْقٍ عَلِيًّا (۱۹:۵۰)

اور ہم نے حضرت ابراہیم اور ان کی اولاد کو اپنی رحمت میں سے بڑا حصہ دیا اور ان کے لیے ایک اعلیٰ و اشرف (طریق) ذکر خیر دنیا میں باقی رکھا۔

ذی الحجہ کی نویں تاریخ

آج ذی الحجہ کی نویں تاریخ ہے، جب کہ یہ سطور قلم سے نکل رہے ہیں۔ چشم تصور سے دیکھیے، تو آپ کے سامنے بندگانِ مخلصین کا ایک شہر آباد ہے۔ لاکھوں انسان ایک ہی لباس اور ایک ہی صدا کے ساتھ ایک ہی کے لیے دیوانہ وار دوڑ رہے ہیں۔ بے شک ''ابراہیم خلیل علیہ السلام'' کا وجود تنہا دنیا میں باقی نہیں رہا، لیکن کیا ان لاکھوں عاشقانِ الٰہی میں سے ہر عاشق اوّل کے فیضانِ عشق سے مستفیض نہیں؟ اگر ہے تو یقین کیجیے کہ ''خلیل اللہ علیہ السلام'' آج بھی زندہ ہے اور ہمیشہ زندہ رہے گا۔ جب کہ میدانِ حج میں لاکھوں انسانوں کی زبانوں سے صدائے لبیک! اللّٰھم لبیک نکلتی ہے۔ تو اس ایک ہی ابراہیم خلیل علیہ السلام کی صدا ہوتی ہے۔ جس نے اب سے پانچ ہزار

برس پیشتر اپنے دوست کی صدائے یا عبدی کے جواب میں عاشقانہ محویت کے ساتھ لبیک کا نعرہ لگایا تھا۔ وہ ایک ہی وجود کے اندر کب محدود تھا کہ فنا ہو جاتا؟ وہ تو اپنے اندر ایک پوری امت رکھتا تھا، اس لیے آج بھی اپنی امت کی صورت میں موجود ہے اور قیامت تک موجود رہے گا:

إِنَّ إِبْرٰهِيمَ كَانَ أُمَّةً قَانِتًا لِلّٰهِ حَنِيفًا ۖ وَلَمْ يَكُ مِنَ الْمُشْرِكِينَ

(النحل: ۱۲۰)

بے شک ابراہیم (گویا) ایک پوری اطاعت شعار امت تھا، اور ایک ہی خدا کا ہو رہا تھا اور ہرگز مشرکوں میں سے نہ تھا۔

اسوۂ ابراہیم علیہ السلام اور حقیقتِ اسلامی

یہی سبب ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ہر بات، "اسلام" تھی: حقیقت اسلام میں ان کا وجود اس طرح فنا ہو گیا تھا کہ خود اُن کی کوئی ہستی باقی نہیں رہی تھی۔ جب کہ ستاروں کی عجیب و غریب روشنی ان کے سامنے آئی، چاند کی دلفریبی نے ان کو آزمانا چاہا اور سورج اپنی سطوت و عظمت سے چمکا تاکہ ان کی فطرت کو مرعوب کر سکے تو یہ "اسلام" ہی تھا، جس نے اندر سے صدا دی کہ:

قَالَ لَآ أُحِبُّ الْاٰفِلِينَ (۶:۷۶)

میں فنا پذیر ہستیوں کو دوست نہیں رکھتا۔

إِنِّي وَجَّهْتُ وَجْهِيَ لِلَّذِي فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ حَنِيفًا وَّمَا أَنَا مِنَ الْمُشْرِكِينَ (۶:۸۰)

میں ہر طرف سے کٹ کر، صرف اسی ایک ذات کا ہو گیا ہوں، جس نے زمین اور آسمان کو پیدا کیا۔ الحمد للہ کہ میں مشرکوں میں سے نہیں ہوں۔

وَكَذٰلِكَ نُرِيٓ إِبْرٰهِيمَ مَلَكُوتَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَلِيَكُونَ مِنَ الْمُوقِنِينَ (۶:۷۶)

اور اسی طرح ہم نے ابراہیم کو آسمان و زمین کے مناظر و عجائب دکھلائے، تاکہ وہ کامل یقین کرنے والوں میں سے ہو جائے۔

ماحول سے بالا

انہوں نے جب آنکھ کھولی، تو چاروں طرف بت پرستی کے مناظر تھے، انہوں نے خود اپنے گھر کے اندر جس کسی کو دیکھا، اس کے ہاتھ میں سنگ تراشی کے اوزار اور بتوں کے ڈھانچے تھے، وہ کالڈیا کے بازاروں میں پھرے مگر جس طرف دیکھا، بتوں کے آگے جھکے ہوئے سر تھے اور جس طرف کان لگایا، خدا فراموشی کی صدائیں آ رہی تھیں، پھر وہ کون سی چیز تھی، جس نے تمام ان چیزوں سے ہٹا کر، جو آنکھوں سے دیکھی اور کانوں سے سنی جاتی ہیں، ان کے دل میں ایک ان دیکھے محبوب کے عشق کی لگن لگا دی؟ اور ایک ان سنے نغمے کی تلاش میں ان کے سامعہ کو آوارہ کر دیا؟ ان کے سامنے تو بتوں کی قطاریں تھیں، جن کو ان کی آنکھیں دیکھتی تھیں، پھر وہ کون تھا، جو ان کے اندر بیٹھا ہوا خدائے قدوس کو دیکھ رہا تھا اور اس قدرتی جوش وقوت کے ساتھ، جو کسی بلندی سے گرنے والے آبشار یا کسی زمین سے ابلتے ہوئے چشمے میں ہوتا ہے، ان کی زبان سے فاطر السموت والارض کی یہ شہادت دے رہا تھا؟

> الَّذِیْ خَلَقَنِیْ فَھُوَ یَھْدِیْنِ . وَالَّذِیْ ھُوَ یُطْعِمُنِیْ وَیَسْقِیْنِ . وَاِذَا مَرِضْتُ فَھُوَ یَشْفِیْنِ . وَالَّذِیْ یُمِیْتُنِیْ ثُمَّ یُحْیِیْنِ . وَالَّذِیْٓ اَطْمَعُ اَنْ یَّغْفِرَ لِیْ خَطِیْٓئَتِیْ یَوْمَ الدِّیْنِ (۲۶: ۷۸۔۸۲)

> وہ جس نے مجھ کو پیدا کیا اور پھر ہدایت کی راہیں کھول دیں، وہ کہ بھوکا ہوتا ہوں تو کھلاتا ہے اور پیاسا ہوتا ہوں تو پلاتا ہے اور وہ کہ جب اپنی بداعمالیوں سے بیمار پڑتا ہوں، تو اپنی رحمت سے شفا دے دیتا ہے۔ جو موت کے بعد حیات بخشے گا اور جس کی رحمت سے امید رکھتا ہوں کہ قیامت کے دن میری خطاؤں سے درگزر کرے گا۔

اور پھر یہ کیا تھا کہ جب ان کا سنگ تراش چچا، پتھروں سے پرستش کی صورتیں بناتا تھا، تو بے اختیار ان کی زبان سے نکلتا تھا کہ اِنَّنِیْ بَرَآءٌ مِّمَّا تَعْبُدُوْنَ:

> وَاِذْ قَالَ اِبْرٰھِیْمُ لِاَبِیْهِ وَقَوْمِهٖٓ اِنَّنِیْ بَرَآءٌ مِّمَّا تَعْبُدُوْنَ . اِلَّا الَّذِیْ فَطَرَنِیْ فَاِنَّهٗ سَیَهْدِیْنِ (۴۳: ۲۶۔۲۷)

اور جب ابراہیم نے اپنے باپ اور اپنی قوم سے کہا کہ تم جن بُت پرستیوں میں مبتلا ہو، مجھے اس سے کوئی سروکار نہیں، البتہ مجھ کو اس ان دیکھی ذات سے سروکار ہے، جس نے میری خلقت بنائی اور یقین ہے کہ وہی مجھ پر اپنی راہ کھول دے گا۔

دراصل یہ وہی ''حقیقت اسلامیہ'' تھی، جس نے ان کے وجود کو آنے والی امتوں کے لیے ''اسوۂ حسنہ'' بنا دیا تھا اور جس کی وصیت انہوں نے اسحاق اور اسماعیل (علیہ السلام) کو کی، پھر انہوں نے یعقوب علیہ السلام کو اور اس کے بعد نسلاً بعد نسلٍ سلسلۂ ابراہیمی میں منتقل ہوتی رہی:

وَ وَصّٰى بِهَاۤ اِبْرٰهٖمُ بَنِیْهِ وَ یَعْقُوْبُ یٰبَنِیَّ اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰى لَكُمُ الدِّیْنَ فَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَ اَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ (۱۳۱:۲)

اور یہی اسلام تھا، جس کی وصیت ابراہیم اپنی اولاد کو کر گئے اور پھر یعقوب بھی کہ اے فرزند: اللہ نے تم کو اس دین اسلام سے ممتاز فرمایا، پس تم زندگی بھر اسی کی تعلیم دینا اور جب مرنا تو اسی طریقہ پر مرنا۔

یہی حقیقت وہ ''روح اعظم'' تھی، جو آدم کے قلب میں پھونکی گئی:

وَ نَفَخْتُ فِیْهِ مِنْ رُّوْحِیْ (۲۹:۱۵)

اور خدا نے آدم میں اپنی ''روح'' پھونکی۔

اور یہی وہ روحِ الٰہی ہے، جو شریعتِ ابراہیمی سے منسوب ہو کر سلسلۂ ابراہیمی کی آخری اُمت، یعنی اُمت مرحومہ میں ظہور کرنے والی تھی اور جس کے یوم ظہور کی ایک رات، ایام الٰہیہ کے گزشتہ ہزار مہینوں پر افضلیت رکھتی تھی:

اِنَّاۤ اَنْزَلْنٰهُ فِیْ لَیْلَةِ الْقَدْرِ . وَمَاۤ اَدْرٰىكَ مَا لَیْلَةُ الْقَدْرِ . لَیْلَةُ الْقَدْرِ خَیْرٌ مِّنْ اَلْفِ شَهْرٍ . تَنَزَّلُ الْمَلٰٓىِٕكَةُ وَالرُّوْحُ فِیْهَا بِاِذْنِ رَبِّهِمْ مِّنْ كُلِّ اَمْرٍ . سَلٰمٌ هِیَ حَتّٰى مَطْلَعِ الْفَجْرِ .(۹۷: ۱-۵)

ہم نے اسلام کو بصورتِ قرآن لیلۃ القدر میں نازل کیا اور تم جانتے ہو کہ لیلۃ القدر کیا ہے؟ وہ ایک ایسی رات ہے جو ہزار مہینوں پر افضلیت رکھتی ہے۔ اس رات ملائکہ اور ''روح''

کا نزول ہوتا ہے، جو اپنے پروردگار کے حکم سے (نظم روحانی) کے تمام امور کے لیے آتے ہیں۔ وہ رات امن وسلامتی کی رات ہے، طلوع صبح تک۔

اور یہی وہ حقیقت تھی، جو ان تمام حقیقتوں سے جو یہودیت یا مسیحیت سے تعبیر کی جاسکتی ہے، اعلیٰ وارفع تھی کیونکہ وہ تمام شاخیں اسی حقیقت الحقائق کی جڑ سے نکلی تھیں۔ پس ''اصل'' کی موجودگی میں ''فرع'' بے اثر ہے اور ''کُل'' کے سامنے ''جز'' بے حقیقت۔ یہی سبب ہے کہ جب اس ''اصل وکل'' کی تکمیل کا آخری بروز ہوا، تو کہا گیا کہ:

وَ قَالُوْا كُوْنُوْا هُوْدًا اَوْ نَصٰرٰى تَهْتَدُوْا قُلْ بَلْ مِلَّةَ اِبْرٰهٖمَ حَنِيْفًا وَ مَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ . (۲:۱۳۵)

یہود ونصاریٰ کہتے ہیں کہ یہودی یا نصرانی بن جاؤ تاکہ ہدایت پاؤ لیکن ان سے کہہ دو کہ نہیں، بلکہ صرف ملتِ ابراہیمی ہی میں تمام ہدایتوں کی حقیقت ہے اور وہ تمہاری طرح مشرکوں میں سے نہ تھا۔

قلبِ سلیم

اور یہی وہ انسان کی ''فطرت اصلی'' ہے، جس کو ''اسلام'' کے سوا قرآن کریم نے ''قلب سلیم'' کے لقب سے بھی یاد کیا ہے۔ یعنی قلب انسانی کی وہ بے میل حالت، جو خارجی اثراتِ ضلالت سے بالکل محفوظ ہو، یا فطرت اصلی کا وہ ذوق صحیح، جس کا ذائقہ کسی عارضی بیماری کے اثر سے بگڑ نہ گیا ہو کیونکہ انسان کے اندر جو کچھ ہے، وہ اسلام ہے اور کفر جب آتا ہے، تو باہر سے آتا ہے۔ یہی سبب ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ اسلام کی نسبت تصریح کردی کہ:

اِذْ جَآءَ رَبَّهٗ بِقَلْبٍ سَلِيْمٍ (۳۷:۸۴)

جب حضرت ابراہیم اپنے رب کی طرف ''قلب سلیم'' کے ساتھ منقطع ہوئے۔

پھر سورہ شعراء کے چوتھے رکوع میں جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے آزر کی ضلالت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے دعا مانگی ہے، تو ساتھ ہی یہ بھی فرمایا ہے کہ:

يَوْمَ لَا يَنْفَعُ مَالٌ وَّلَا بَنُوْنَ. اِلَّا مَنْ اَتَى اللّٰهَ بِقَلْبٍ سَلِيْمٍ (۲۶: ۸۸۔۸۹)

وہ آخری روزِ عدالت، جب کہ نہ تو مال و دولت کام دیں گے اور نہ اہل و عیال کام آئیں گے (یعنی کوئی مادی شے مفید نہ ہوگی) مگر صرف وہ کامیاب ہوگا جس کے پہلو میں "قلب سلیم" ہے۔

یہی "قلبِ سلیم" تھا، جس پر اجرامِ سماویہ کے مدہوش مناظر فتح نہ پا سکے اور اس نے ابراہیم علیہ السلام کے دل کے اندر سے فاطر ملکوت السموت والارض کے وجود پر شہادت دی:

قَالَ بَلْ رَّبُّكُمْ رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ الَّذِيْ فَطَرَهُنَّ وَاَنَا عَلٰى ذٰلِكُمْ مِّنَ الشّٰهِدِيْنَ. (۲۱: ۵۶)

ابراہیم نے اپنی قوم کو جواب میں کہا کہ وہ آسمان و زمین کا فاطر، جس نے ان کو پیدا کیا تمہارا بھی پروردگار ہے اور میں اس کے وجود پر شہادت دیتا ہوں۔

حقیقتِ اسلامی کی اصل آزمائش

اور سب سے آخر یہ کہ جب حقیقت اسلامی کی آخری مگر اصلی آزمائش کا وقت آیا، تو وہ "اسلام" ہی تھا، جس نے ابراہیم علیہ السلام کے ہاتھ میں چھری دی تاکہ فرزند عزیز کو ذبح کر کے محبت ماسوی اللہ کی قربانی کرے اور "اسلام" ہی تھا، جس نے اسماعیل علیہ السلام کی گردن جھکا دی تاکہ اپنی جان عزیز کو اس کی راہ میں قربان کر دے۔ جب کہ اس نے پوچھا:

يٰبُنَيَّ اِنِّيْٓ اَرٰى فِي الْمَنَامِ اَنِّيْٓ اَذْبَحُكَ فَانْظُرْ مَاذَا تَرٰى](۳۷۔۱۰۲)

اے فرزند عزیز! میں نے خواب میں دیکھا ہے، گویا تجھے اللہ کے نام پر ذبح کر رہا ہوں، پھر تیرے خیال میں یہ بات کیسی ہے؟

تو یہ وجود ابراہیمی کی نہیں بلکہ "اسلام" ہی کی صدا تھی اور پھر جب اس کے جواب میں اسماعیل علیہ السلام نے کہا کہ:

يٰٓاَبَتِ افْعَلْ مَا تُؤْمَرُ سَتَجِدُنِيْٓ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ مِنَ الصّٰبِرِيْنَ (۳۷۔۱۰۲)

اے باپ! یہ تو گویا اللہ کی مرضی اور اس کے حکم کا اشارہ ہے، پس جو اس کا حکم ہے، اس کو بلا

تعمیل انجام دیجیے۔ اگر اسی خدا کی مرضی ہوئی تو آپ دیکھ لیں گے کہ میں صبر کرنے والوں میں سے ہوں گا۔

تو یہ بھی اسماعیل علیہ السلام کی نہیں بلکہ اسلام ہی کی صدا تھی۔ پھر جب باپ نے بیٹے کو مینڈھے کی طرح سختی سے پکڑ کے زمین پر گرا دیا تو وہ اسلام ہی کا ہاتھ تھا، جو ابراہیم علیہ السلام کے اندر سے کام کر رہا تھا اور جب بیٹے نے اس شوق و ذوق کے ساتھ، جو مدتوں کے پیاسے کو آبِ شیریں سے ہوتا ہے، اپنی گردن مضطرب ہو ہو کر چھری سے قریب کر دی، تو وہ حقیقت اسلامی ہی کی محویت کا استیلا تھا جس نے نفس اسماعیل علیہ السلام کو فنا کر دیا تھا اور اسی فنا سے مقام ایمان کو بقا ہے:

سَلَامٌ عَلٰى إِبْرٰهِيمَ . كَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِينَ . إِنَّهُ مِنْ عِبَادِنَا الْمُؤْمِنِينَ (۳۷: ۱۰۹-۱۱۱)

پس سلام، حقیقت اسلامی کی قربانی کرنے والے ابراہیم پر! ہم مقام احسان تک پہنچنے والوں کو (بقائے دوام) کا ایسا ہی بدلہ عطا فرماتے ہیں۔ بیشک وہ ہمارے حقیقی مومن بندوں میں سے تھا۔

اللہ اکبر! اللہ اکبر! لا الہ الا اللہ۔ واللہ اکبر! اللہ اکبر و للہ الحمد

غافل مرو کہ تا در بیت الحرام عشق
صد منزل است و منزل اول قیامت است

اللہ اللہ! اس نیرنگ ساز اول کے کاروبار محبت کی بوقلمونی کو کیا کہیے کہ اس کے حریم محبت کی ساری آرائش دوستوں کے خون کے چھینٹوں اور مضطرب لاشوں کی تڑپ ہی سے ہے۔ دوستوں کو کٹواتا ہے مگر دشمنوں کو مہلت دیتا ہے۔ باپ کے ہاتھ میں چھری دیتا ہے کہ بیٹے کو قتل کرے اور بیٹے سے کہتا ہے کہ خوش خوش گردن جھکا دے کہ یہاں جان دینا ہی نہیں بلکہ جان دینے کو روز عیش ونشاط سمجھنا بھی شرط ہے:

آہ ایں چہ دوستی است کہ سرہائے یک دگر
خویشان بریدہ بر رہِ قاتل نہادہ اند!

ابراہیم علیہ السلام کے دل میں اپنی محبت کے ساتھ بیٹے کی محبت گوارا نہ ہوئی اور اسماعیل علیہ السلام کے پہلو میں اپنے گھر کو دیکھا، تو محبتِ نفس و جان کی پرچھائیاں نظر آئیں:

عشق ست و ہزار بدگمانی!

غیرت الٰہی نے اس کو بھی منظور نہیں کیا۔ حکم ہوا کہ پہلے محبت کے مکان کو ایک ہی مکین کے لیے خالی کر دو، پھر اس طرف نظر اٹھا کر دیکھنا کہ:

الغیرة من صفات حضرة الربوبیة

محبت کی عشق آموزی کا پہلا سبق غیرت ہے اور یہی معنی ہیں اس آیت کریمہ کے:

إِنَّ اللَّهَ لَا يَغْفِرُ أَنْ يُشْرَكَ بِهِ وَ يَغْفِرُ مَا دُونَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَشَاءُ (۴:۴۸)

اللہ تعالیٰ تمہارے تمام گناہوں سے درگزر کر سکتا ہے مگر اس کو کبھی معاف نہیں کر سکتا کہ تم اس کی محبت میں کسی دوسرے کو شریک کرو۔

سلطانِ محبت تمام گناہوں کو معاف کر سکتا ہے مگر اس کی عدالت میں دل کی تقسیم کا کوئی قانون نہیں ہے۔ آپ کا دوست ہزار کج ادائیاں کرے، آپ کا دلِ محبت پرست اس کی شفاعت سے باز نہ آئے گا لیکن آپ اس گوشہ نظر سے کیونکر درگزر کر سکتے ہیں، جو آپ کی طرف نہیں بلکہ کسی دوسری جانب تھی؟ آپ کسی کی آنکھوں کی بے مہری کو تو گوارا کر سکتے ہیں لیکن اس خمار کو کیونکر دیکھ سکتے ہیں، جو صحبت غیر کی شب بیداریوں سے پیدا ہوا ہو؟ اگر کبھی اس کوچے میں گزر رہا ہے، تو اپنے دل سے پوچھ لیجیے کہ میں کیا کہہ رہا ہوں؟ البتہ اس مسئلے کے سمجھنے کے لیے مدرسے سے باہر بھی کچھ سیکھنا ضروری ہے:

ایں مسئلہ در نسخہ محمود و ایاز است!

عُود الی المقصود

اب میں اپنے اصل مقصد سے بہت قریب آ گیا ہوں۔ یہی آخری حالت وہ حقیقت اصلی تھی، جس کو آغاز مضمون سے میں ''حقیقت اسلامی'' کے لفظ سے تعبیر کرتا آیا ہوں، یہی دعوت اسلام کا وہ عملی نمونہ تھا، جس نے اسوۂ ابراہیمی کی شکل میں ظہور کیا، یہی لفظ ''اسلام'' کا وہ شاہد معنی

تھا، جس کے محمل وصال پر نفس و جان کی قربانیوں کے پردے پڑے ہوئے تھے لیکن اس نجد خلت کے تاجدار محبت کے لیے مانع نہ ہوسکے اور عشاقِ حقیقت کے لیے اس کی جلوہ فروشیوں کو عام کر دیا اور یہی وہ اصل اسلامی ہے، جس کو قرآن کریم اپنی اصطلاح میں ''جہاد فی سبیل اللہ'' سے تعبیر کرتا ہے اور کبھی ''اسلام'' کی جگہ ''جہاد'' اور کبھی ''مسلم'' کی جگہ ''مجاہد'' بولتا ہے اور پھر یہی وہ ''اسوہ حسنہ'' ہے، جس کی طرف وہ تمام پیروانِ ملتِ حنفی کو دعوت دیتا ہے اور کہتا ہے کہ:

قَدْ كَانَتْ لَكُمْ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ فِي إِبْرٰهِيمَ وَالَّذِينَ مَعَهُ (۶۰:۴)

بے شک حضرت ابراہیم اور ان کے ساتھیوں میں پیروی و اتباع کے لیے ایک بہترین نصب العین اور نمونہ زندگی ہے۔

پس قسم ہے اس خدائے اسلام کی، جس نے ابراہیم علیہ السلام اور اسماعیل علیہ السلام کی قربانی کو برکت بخشی اور اس کو ملتِ حنفی کے لیے اسوہ حسنہ بنایا:

وانه لقسم لو تعلمون عظيم

کہ ''اسلام'' اور ''جہاد'' ایک ہی حقیقت کے دو نام اور ایک ہی معنی کے لیے دو مرادف الفاظ ہیں، اسلام کے معنی ''جہاد'' ہیں اور جہاد کے معنی اسلام، پس کوئی ہستی ''مسلم'' ہو نہیں سکتی، جب تک وہ ''مجاہد'' نہ ہو اور کوئی ''مجاہد'' ہو نہیں سکتا، جب تک وہ ''مسلم'' نہ ہو۔ ''اسلام'' کی لذت اس بدبخت کے لیے حرام ہے، جس کا ذوقِ ایمانی لذتِ جہاد سے محروم ہو اور زمین پر گو اس نے اپنا نام مسلم رکھا ہو لیکن اس کو کہہ دو کہ آسمانوں میں اس کا شمار کفر کے زمرے میں ہے:

فالجهاد ! الجهاد ! الجهاد في سبيل الله ! ايها المسلمون الغافلون عن حقيقة الاسلام و الجهاد ! والله اكبر ! الله اكبر ! لا اله الا الله والله اكبر ! الله اكبر و لله الحمد !!

جب کہ ایک دنیا لفظ ''جہاد'' کی دہشت سے کانپ رہی ہے، جب کہ عالم مسیحی کی نظروں میں یہ لفظ ایک عفریت مہیب یا ایک حربہ بے امان ہے، جب کہ اسلام کے مدعیان حمایت نصف صدی سے کوشش کر رہے ہیں کہ کفر کی رضا کے لیے، اسلام کو مجبور کریں کہ اس لفظ کو اپنی لغت سے

نکال دے، جب کہ بظاہر انہوں نے کفر و اسلام کے درمیان ایک راضی نامہ لکھ دیا ہے کہ اسلام لفظ جہاد کو بھلا دیتا ہے، کفر اپنے توحش کو بھول جائے اور جب کہ آج کل کے ملحدین، مسلمین اور متفرنجین مفسدین کا ایک ''حزب الشیطان'' بے چین ہے کہ بس چلے تو یورپ سے درجہ تقرب عبودیت حاصل کرنے کے لیے (تحریف الکلم عن مواضعہ کے بعد) سرے سے اس لفظ ہی کو قرآن سے نکال دے، تو پھر یہ کیا ہے کہ میں نہ صرف ''جہاد'' کو ایک رکن اسلامی، ایک فرض دینی، ایک حکم شریعت بتلاتا ہوں بلکہ صاف صاف کہتا ہوں کہ اسلام کی حقیقت ہی جہاد ہے، دونوں لازم وملزوم ہیں، اسلام سے اگر ''جہاد'' کو الگ کر لیا جائے تو وہ ایک لفظ ہوگا، جس میں معنی نہیں ہے، ایک اسم ہوگا، جس کا مسمّی نہیں، ایک قشر محض ہوگا، جس سے مغز نکال لیا گیا ہے۔ پھر کیا میں ان تمام اعمال مصلحین متفرنجین کو غارت کرنا چاہتا ہوں، جو انھوں نے تطبیق بین التوحید والتثلیث یا اسلام اور مسیحیت کے عقد اتحاد کے لیے انجام دی ہیں؟ وہ اصلاحِ جدید کی شاندار عمارتیں، جو مغربی تہذیب وشائستگی کی ارضِ مقدس پر کھڑی کی گئی ہیں، کیا دعوت جہاد میں جنود مجاہدین کو بلاتا ہوں کہ اپنے گھوڑوں کے سموں سے انہیں پامال کر دیں؟ اور پھر کیا چاہتا ہوں کہ اسلام کی زندگی کا افق، جو حرارتِ حیا کی گرد سے پاک کر دیا گیا تھا مجاہدین کی اڑائی خاک سے پھر غبار آلود ہو جائے؟؟

ہاں! اے غارت گرانِ حقیقت اسلامی! اے دزدان متاع ایمانی! اور اے مفسدین ملت و مدعیانِ اصلاح! ہاں! میں ایسا ہی چاہتا ہوں، میری آنکھیں ایسا ہی دیکھنا چاہتی ہیں، میرا دل ایسے ہی وقت کے لیے بے قرار ہے۔ خدائے ابراہیم ومحمد (علیہما السلام) کی شریعت ایسا ہی چاہتی ہے، قرآن کریم اسی کو حقیقت اسلامی کہتا ہے، وہ اسی اسوۂ حسنہ کی طرف اپنے پیرووں کو بلاتا ہے۔ اسلام کا اعتقاد اسی کے لیے ہے، اس کی تمام عبادتیں اسی کے لیے ہیں۔ اس کے تمام جسم اعمال کی روح یہی شے ہے اور یہی چیز ہے، جس کی یاد کو اس نے ہمیشہ زندہ رکھنا چاہا اور ''عیدالاضحی'' کو یوم جشن ومسرت بنایا۔

پس یہ ہے، جس کی طرف میں مسلمانوں کو بلاتا ہوں، پھر تمہارے پاس کیا ہے، جس کی طرف تم ہم کو دعوت دیتے ہو؟

هَلْ عِنْدَكُمْ مِنْ عِلْمٍ فَتُخْرِجُوْهُ لَنَا (۶: ۱۴۸)

اَتُجَادِلُوْنَنِيْ فِيْ اَسْمَاءٍ سَمَّيْتُمُوْهَا اَنْتُمْ وَاٰبَاؤُكُمْ مَا نَزَّلَ اللّٰهُ بِهَا مِنْ سُلْطٰنٍ (۷: ۷۱)

اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا تَخْرُصُوْنَ (۶: ۱۴۸)

اَمْ يُرِيْدُوْنَ كَيْدًا فَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا هُمُ الْمَكِيْدُوْنَ . اَمْ لَهُمْ اِلٰهٌ غَيْرُ اللّٰهِ سُبْحٰنَ اللّٰهِ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ . (۵۲: ۴۲-۴۳)

یا ان کا ارادہ مکروفریب پھیلانے کا ہے؟ اگر ایسا ہے تو یاد رکھیں کہ یہ منکر خود ہی شیطان کے فریب میں پڑے ہیں۔ یا پھر خدا کے سوا ان کا کوئی اور معبود ہے؟ اگر یہی بات ہے تو یقین کرو کہ اللہ کی ذات ان کے اس شرک سے پاک ہے۔

لیکن ''جہاد'' سے مقصود کیا ہے؟ اس کا محمل اصلی کیا ہے؟ کیونکر اسلام کی حقیقت اور جہاد ایک ہے؟ آغاز مضمون میں جو سوالات کیے گئے تھے، ان کا حل کیوں کر ہے؟ اگرچہ ان میں سے ہر سوال تفصیل طلب ہے اور یکے بعد دیگرے صدہا مباحث پر مشتمل، تاہم تھوڑا سا انتظار کیجیے کہ چند اشارات عرض کروں۔

فاللہ اکبر! اللہ اکبر! لا الہ الا اللہ و اللہ اکبر! اللہ اکبر وللہ الحمد

حقیقتِ اسلامی

سب سے پہلے اس امر پر غور کرنا چاہیے کہ اسلام کی وہ کون سی حقیقت تھی جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کی زندگی پر طاری ہوئی اور جس کو قرآن کریم نے امت مرحومہ کے لیے ''اسوۂ حسنہ'' قرار دیا؟

اسلام کا مادہ لفظ ''سلم'' ہے، جو باختلاف حرکات مختلف اشکال میں آکر مختلف معانی پیدا کرتا ہے لیکن لغت کہتا ہے کہ ''سلم'' (بفتحتین) اور ''اسلام'' کے معنی کسی چیز کے سونپ دینے، طاعت و انقیاد اور گردن جھکا دینے کے ہیں۔ اسی سے ''تسلیم'' بمعنی سونپ دینے کے اور استسلم (ای انقاد و اطاع) آتا ہے اور فی الحقیقت لفظ ''اسلام'' بھی انہی معانی پر مشتمل ہے۔ قرآن کریم میں ان معانی کے شواہد اس کثرت سے ہیں کہ ایک مختصر مضمون میں سب کا استقصا ممکن نہیں، تاہم ایک دو آیتوں

پر نظر ڈال لیجیے تو یہ امر بالکل واضح ہو جاتا ہے۔ مثلاً احکامِ طلاق کی آیات میں ایک موقع پر فرمایا:

وَإِنْ أَرَدْتُمْ أَنْ تَسْتَرْضِعُوا أَوْلَادَكُمْ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ إِذَا سَلَّمْتُمْ مَا آتَيْتُمْ بِالْمَعْرُوفِ (۲:۲۳۳)

اگر تم چاہو کہ اپنے بچے کو کسی دایہ سے دودھ پلواؤ تو اس میں بھی تم پر کچھ گناہ نہیں، بشرطیکہ دستور کے مطابق ان کی ماؤں کو جو دینا کیا تھا، وہ ان کے 'حوالے کردو'۔

اس آیت میں "سلمتم" حوالہ کر دینے کے معنی میں صاف ہے۔ اسی طرح بمعنی اطاعت وانقیاد و گردن نہادن کے، بیسیوں جگہ فرمایا ہے:

وَلَهُ أَسْلَمَ مَنْ فِي السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ طَوْعًا وَكَرْهًا (۳:۸۳)

اس آسمان و زمین میں کوئی نہیں جو چار و ناچار دینِ الٰہی کا حکم بردار اور مطیع و منقاد نہ ہو۔

قَالَتِ الْأَعْرَابُ آمَنَّا قُلْ لَمْ تُؤْمِنُوا وَلَٰكِنْ قُولُوا أَسْلَمْنَا (۴۹:۱۴)

اور یہ جو عرب کے دیہاتی کہتے ہیں کہ ہم ایمان لائے، تو ان سے کہہ دو کہ تم ابھی ایمان نہیں لائے (کیونکہ وہ دل کے اعتقادِ کامل کا نام ہے جو تمہیں نصیب نہیں) البتہ یوں کہو کہ ہم نے اس دین کو مان لیا۔

ہر شے کی اصل حقیقت وہی ہو سکتی ہے جو اس کے نام کے اندر موجود ہو۔ دینِ الٰہی کی حقیقت لفظ اسلام کے معنی میں پوشیدہ ہے۔ لفظ اسلام کے معنی اطاعت، انقیاد، گردن نہادن اور کسی چیز کو حوالہ کر دینے کے ہیں، پس اسلام کی حقیقت بھی یہی ہے کہ:

انسان اپنے پاس جو کچھ رکھتا ہے، خدا تعالیٰ کے حوالے کر دے۔ اس کی تمام قوتیں، اس کی تمام خواہشیں، اس کے تمام جذبات، اس کی تمام محبوبات، غرضیکہ سر کے بالوں کی جڑ سے لے کر پاؤں کے انگوٹھے تک، جو کچھ اس کے اندر ہے اور جو کچھ اپنے سے باہر اپنے پاس رکھتا ہے، سب کچھ ایک لینے والے کے سپرد کر دے۔ وہ اپنے تمام قوائے جسمانی و دماغی کے ساتھ خدا کے آگے جھک جائے اور ایک مرتبہ ہر طرف سے منقطع ہو کر اور اپنے تمام رشتوں کو توڑ کر، اس طرح گردن رکھ دے کہ پھر کبھی نہ اٹھے۔ نفس کی حکومت سے باغی ہو جائے

اور احکام الٰہیہ کا مطیع ومنقاد۔

یہی وہ حقیقت اسلامی کا قانون فطری ہے، جو تمام کائنات عالم میں جاری وساری ہے۔ اس کی سلطنت سے زمین وآسمان کا ایک ذرّہ بھی باہر نہیں۔ ہر شے جو اس حیات کدۂ عالم میں وجود رکھتی ہے، اپنے اعمالِ طبیعی کے اندر اس حقیقت اسلامی کی ایک مجسم شہادت ہے۔ کون ہے جو اس کی اطاعت وانقیاد سے آزاد اور اس کے سامنے سے اپنے جھکے ہوئے سر کو اٹھا سکتا ہے؟ اس نے کہا کہ میں "کبیر المتعال" ہوں، پھر کون سی ہستی ہے جو اس کی کبریائی وجبروت کے آگے اپنے اندر اسلامی انقیاد کی ایک صدائے عجز نہیں رکھتی؟ زمین پر ہم چلتے ہیں اور آسمان کو دیکھتے ہیں لیکن کیا دونوں اسی حقیقت اسلامی کی طرف داعی نہیں ہیں؟

ملکوت السماوات والارض اور حقیقتِ اسلامی کا قانون

زمین کو دیکھو جو اپنے گرد وغبار کے اندر ارواح نباتاتی کی ایک بہشت حیات ہے، جس کے الوانِ جمال سے اس حیات کدہ ارضی کی ساری دلفریبی اور رونق ہے، جس کی غذا بخشی انسانی خون کے لیے سرچشمۂ تولید ہے اور جو اپنے اندر زندگیوں اور ہستیوں کا ایک خزانۂ لازوال رکھتی ہے! کیا اس کی وسیع سطح حیات پرور پر ایک ذرۂ ہستی بھی ہے، جو اس حقیقتِ اسلامی کے قانونِ عام سے مستثنیٰ ہو؟ کیا اس کی کائنات نباتاتی کا ایک ایک ذرہ خدائے اسلام کے قائم کیے ہوئے حدود ونوامیس کا مسلم یعنی اطاعت شعار نہیں ہے؟

بیج جب کہ زمین کے سپرد کیا جاتا ہے، تو فوراً لے لیتی ہے کیونکہ اس کے بنانے والے نے اس کو ایسا ہی حکم دیا ہے لیکن پھر اگر تم وقت سے پہلے واپس مانگو، تو نہیں دے سکتی کیونکہ اس کا سر خدا کے آگے جھکا ہوا ہے اور خدا نے ہر بات کے لیے ایک وقت مقرر کر دیا ہے (ولکل اجل کتاب) پس محال ہے کہ اس کی خلاف ورزی کرے اور حقیقت اسلام کے قانون عام کی مجرم ہو۔

قانون الٰہی نے زمین کی قوت نامیہ کے ظہور کے لیے مختلف دور مقرر کر دیے ہیں اور ہر دور کے لیے ایک وقت خاص لکھ دیا ہے۔ زمین کی درستگی کے بعد اس میں بیج ڈالا جاتا ہے، آفتاب کی تمازت اس کو حرارت پہنچاتی ہے، ابر، ہوا اور موسم موافق کی رطوبت اس کی بدوست میں اعتدال

پیدا کرتی ہے، پانی کا بمقدار مناسب حصول اس کے نشو ونما کو زندگی کی تازگی بخشتا ہے، یہ تمام چیزیں ایک خاص تسویہ وتناسب کے ساتھ اس کو مطلوب ہیں، پھر بیج کے گلنے اور سڑنے، مٹی کے اجزائے نباتاتی کی آمیزش، کونپلوں کے پھوٹنے، ان کے بتدریج بلند ہونے اور اس کے بعد شاخوں کے انشعاب اور پتوں اور پھولوں کی تولید، ان تمام مرحلوں سے اس بیج کا درجہ بدرجہ گزرنا ضروری ہے اور ہر زمانے کے لیے ایک خاص حالت اور مدت مقرر کر دی گئی ہے۔ یہی تمام مختلف مراحل ومنازل زمین کی پیداوار کے لیے ایک شریعت الٰہیہ ہیں، جس کی اطاعت کائناتِ نباتات کی ہر روح پر فرض کر دی گئی ہے۔ پھر کیا ممکن ہے کہ زمین ایک لمحہ، ایک منٹ اور ایک مستثنیٰ مثال کے لیے بھی اس شریعت کی مسلم ہونے یعنی اس کی اطاعت سے انکار کر دے؟ پھر اگر اس کی خلاف ورزی کی جائے، تو کیا ممکن ہے کہ ایک دانہ بھی بار آور اور ایک پھول بھی شگفتہ ہو؟

ایک درخت ہے جو پانچ سال کے اندر پھل لاتا ہے، پھر تم کتنی ہی کوشش کرو، پانچ مہینے کے اندر وہ کبھی پھل نہیں دے گا۔ ایک پھول ہے، جس کے پودے کو زیادہ مقدار میں حرارت مطلوب ہے، پھر یہ محال ہے کہ وہ سایے میں زندہ رہ سکے۔ کیوں؟ اس لیے کہ پانچ سال کے اندر اس کا حدِ بلوغ کو پہنچنا اور دھوپ کی تیزی میں اس کا نشو ونما پانا، شریعت الٰہی نے مقرر کر دیا ہے، پس وہ مسلم ہے اور حقیقت اسلامی کا قانونِ عام اس کو سرکشی وخلاف ورزی کا سر اٹھانے نہیں دیتا:

وَ لَهٗ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ كُلٌّ لَّهٗ قٰنِتُوْنَ. (۳۰:۲۶)

اور جو کچھ آسمان میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے، سب اس کا ہے اور سب اسی کے حکم کے تابع اور منقاد ہیں۔

پس فی الحقیقت زمین کے عالم نظم وتدبیر میں جو کچھ ہے، حقیقت اسلامی ہی کا ظہور ہے:

وَفِي الْاَرْضِ اٰيٰتٌ لِّلْمُوْقِنِيْنَ (۵۱:۲۰)

اور زمین میں ارباب یقین کے لیے خدا کی ہزاروں نشانیاں بکھری پڑی ہیں۔

یہ سر بفلک پہاڑوں کی چوٹیاں، جو اپنے عظیم الشان قامتوں کے اندر خلقت کائنات کی سب سے بڑی عظمت رکھتی ہیں! یہ شیریں اور حیات بخش دریا، جو کسی مخفی تعلیم کے نقشے کے مطابق

زمین کے اندر گاہ مستقیم اور گاہ پر پیچ وخم راہ پیدا کرتے رہتے ہیں! یہ خوفناک وقہار سمندر، جس کی بے کنار سطح مہیب کے نیچے طرح طرح کے دریائی حیوانات کی بے شمار اقلیمیں آباد ہیں، غور کیجیے کہ کیا سلطانِ اسلام کی حکومت سے باہر ہیں؟ پہاڑوں کی چوٹیوں کے سر گو بلند ہیں، مگر اطاعت کے اسلام شعارانہ سر جھکے ہوئے ہیں۔ زمین کا جو گوشہ اور سمندر کا جو کنارہ ان کو دے دیا گیا ہے، ممکن نہیں کہ وہ ایک انچ بھی اس سے باہر قدم رکھ سکیں۔ ان کے ارتقائے جسمانی کے لیے جو غیر محسوس رفتارِ نمو شریعت الٰہی نے مقرر کر دی ہے، محال ہے کہ اس سے زیادہ آگے بڑھ سکیں۔ انقلابات طبیعیہ کا حکم الٰہی ان کو ریزہ ریزہ کر دے، پر وہ اپنی جگہ سے ہل نہیں سکتے۔ اسی طرح دریاؤں اور سمندروں کی طرف کان لگائیے کہ ان کی زبان حال اس حقیقت اسلامی کی کیسی عجیب شہادت دے رہی ہے؟

آپ نے سمندروں کے طوفانوں اور موجوں کی صورت میں دیکھا ہے کہ پانی کی سرکشیاں کیسی شدید ہوتی ہیں؟ لیکن اس سرکش اور مغرور دیو پر جب حقیقتِ اسلامی کی اطاعت وانقیاد کا قانون نافذ ہوا، تو اس عجز وتذلل کے ساتھ اس کا سر جھک گیا کہ ایک طرف میٹھے پانی کا دریا بہہ رہا ہے اور دوسری طرف کھارے پانی کا بحرِ زخار ہے۔ دونوں اس طرح ملے ہوئے ہیں کہ کوئی شے ان میں حائل نہیں، مگر نہ تو دریا کو یہ مجال ہے کہ سمندر کی سرحد میں قدم رکھے اور نہ سمندر باایں ہمہ قوت وقہاری اس کی جرأت رکھتا ہے کہ اپنی سرکش موجوں سے اس پر حملہ کرے:

مَرَجَ الْبَحْرَيْنِ يَلْتَقِيٰنِ . بَيْنَهُمَا بَرْزَخٌ لَّا يَبْغِيٰنِ . فَبِاَيِّ اٰلَاۗءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ . (۵۵:۱۹۔۲۱)

اس نے کھارے اور میٹھے پانی کے دو سمندروں کو جاری کیا کہ دونوں آپس میں ملے ہوئے ہیں مگر پھر بھی ایک دوسرے سے مل نہیں سکتے کیونکہ دونوں کے درمیان اس نے ایک حدِ فاصل مقرر کر دی ہے۔ پھر تم اللہ کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟

دوسری جگہ فرمایا:

وَهُوَ الَّذِيْ مَرَجَ الْبَحْرَيْنِ هٰذَا عَذْبٌ فُرَاتٌ وَّهٰذَا مِلْحٌ اُجَاجٌ وَجَعَلَ بَيْنَهُمَا بَرْزَخًا وَّحِجْرًا مَّحْجُوْرًا . (۲۵:۵۳)

اور وہی قادر مطلق ہے، جس نے دو دریاؤں کو آپس میں ملایا، ایک کا پانی شیریں و خوش ذائقہ اور ایک کا کھارا کڑوا اور دونوں کے درمیان ایک ایسی حد فاصل اور روک رکھ دی کہ دونوں باوجود ملنے کے بالکل الگ رہتے ہیں!

اب نظر ذرا اوپر اٹھاؤ اور ملکوت السماوات کے ان اجرام عظیمہ کو دیکھو، جن کے مرئیات مدہشہ سے یہ سطح نیلگوں، ادراک انسانی کا سب سے بڑا منظر تحیر ہے۔ یہ عظیم الشان قہرمانِ تجلّی، جو روز ہمارے سروں پر چمکتا ہے، جس کی فیضان بخشی حیات تمیز قرب و بعد سے ماورا ہے، جس کا جذب و انجذاب کائنات عالم کے لیے مرکز قیام ہے، جس کا سرچشمہ ضیاء و نور اجسام سماویہ کے لیے تنہا وسیلہ تنویر ہے اور جس کا قہر حرارت کسی تجلّی گاہ حقیقی کا سب سے بڑا عکس و ظلال ہے، غور کرو تو اپنے اندر حقیقت اسلامی کی کیسی مؤثر شہادت مبین رکھتا ہے! وہ، جس کی جبروت و عظمت کے آگے تمام کائنات عالم کا سر جھکا ہوا ہے، کیسے مسلم شعارانہ انکسار کے ساتھ فاطر السمٰوٰت کے آگے سر بہ سجود ہے کہ ایک لمحہ اور ایک عشر دقیقے کے لیے بھی اپنے اعمال و افعال کے مقرر کردہ حدود سے باہر قدم نہیں رکھ سکتا:

تَبٰرَكَ الَّذِىْ جَعَلَ فِى السَّمَآءِ بُرُوْجًا وَّجَعَلَ فِيْهَا سِرٰجًا وَّقَمَرًا مُّنِيْرًا ۔

(۶۱:۲۵)

کیا مبارک ہے ذات قدوس اس کی، جس نے آسمان میں (گردش سیارات کے) دائرے بنائے اور اس میں آفتاب کی مشعل روشن کر دی اور نیز روشن و منور چاند بنایا!!

پھر اسی طرح اور تمام اجرام سماویہ کو دیکھو اور ان کے افعال و خواص کا مطالعہ کرو! ان کے طلوع و غروب، ایاب و ذہاب، حرکت و رجعت، جذب و انجذاب، اثر و تاثر اور فعل و انفعال کے لیے جو قوانین رب السمٰوٰت نے مقرر کر دیے ہیں، کس طرح ان کی اطاعت و انقیاد کی زنجیروں میں جکڑے ہوئے ہیں؟ یہی قوانین ہیں، جن کو قرآن کریم ''حدود اللہ'' کے لفظ سے تعبیر کرتا ہے اور یہی ''دین قیم'' ہے، جو تمام نظام کائنات کے لیے بمنزلہ مرکز قیام و حیات ہے۔ عالم ارضی و سماوی کی کوئی مخلوق نہیں، جو اس دین الٰہی کی پیرو نہ ہو اور آفتاب سے لے کر خاک کے ذرے تک

کوئی نہیں، جو اس کی اطاعت سے انکار کر دے:

اَلشَّمْسُ وَالْقَمَرُ بِحُسْبَانٍ . وَّالنَّجْمُ وَالشَّجَرُ يَسْجُدَانِ . وَالسَّمَآءَ رَفَعَهَا وَوَضَعَ الْمِيْزَانَ . اَلَّا تَطْغَوْا فِي الْمِيْزَانِ . (۵۵:۵۔۸)

اسی کے حکم سے سورج اور چاند ایک حساب معین پر گردش میں ہیں اور تمام عالم نباتات کے سر اسی کے آگے جھکے ہوئے ہیں اور اس نے آسمان کو بلندی قرار دیا اور (قانون الٰہی) کا میزان بنایا، تاکہ تم لوگ اندازہ کرنے میں حد عدل سے متجاوز نہ ہو۔

پس نظام شمسی میں جس قدر نظم و تدبیر ہے، سب اسی ''حقیقت اسلامی'' کا ظہور ہے۔ حقیقت اسلامی کی اطاعت و انقیاد نے ہر مخلوق کو اپنے اپنے دائرہ عمل میں محدود کر دیا ہے اور ہر وجود سر جھکائے ہوئے اپنے اپنے فرض کے انجام دینے میں مشغول ہے۔ اگر زمین اپنے محور پر حکومت کرتی ہوئی اپنے دائرے کا چکر لگاتی ہے، اگر آفتاب کی کشش اس کو ایک بال برابر بھی ادھر اُدھر نہیں ہونے دیتی، اگر ہر ستارہ اپنے اپنے دائرۂ حرکت کے اندر ہی محدود ہے، اگر تمام ستاروں کی باہمی جذب محیط ہمیشہ اس تسویہ و میزان کے ساتھ قائم رہتی ہے کہ عظیم الشان قوتوں کے یہ پہاڑ آپس میں نہیں ٹکراتے، اگر ان کی حرکت و سیر کی مقدار اور اوقات مقررہ میں طلوع و غروب، ایک ایسا ناممکن التبدیل قانون ہے، جس میں کبھی کمی بیشی نہیں ہوتی اور اگر:

لاَ الشَّمْسُ يَنْبَغِي لَهَا اَنْ تُدْرِكَ الْقَمَرَ وَلاَ الَّيْلُ سَابِقُ النَّهَارِ وَكُلٌّ فِي فَلَكٍ يَّسْبَحُوْنَ . (۳۶:۴۰)

نہ آفتاب کے اختیار میں ہے کہ چاند کو جا لے اور نہ رات کے بس میں ہے کہ دن سے پہلے ظاہر ہو جائے اور تمام اجرام سماویہ اپنے اپنے دائروں کے اندر ہی تیر رہے ہیں۔

تو پھر اس کے کیا معنی ہیں؟ کیا یہ اعمالِ کائنات اس امر کی شہادت نہیں ہیں کہ دنیا میں اصلی قوت صرف ''اسلام'' ہی کی قوت ہے اور اس عالم کا ہر وجود صرف اس لیے زندہ ہے کہ وہ ''مسلم'' ہے اور حقیقت اسلامی اس پر طاری ہو چکی ہے؟ ورنہ اگر ایک لمحہ کے لیے بھی اس حقیقت کی

حکومت دنیا سے اٹھ جائے، تو تمام نظام عالم درہم برہم ہو جائے:

اَفَغَيْرَ دِيْنِ اللّٰهِ يَبْغُوْنَ وَلَهٗٓ اَسْلَمَ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ طَوْعًا وَّ كَرْهًا وَّ اِلَيْهِ يُرْجَعُوْنَ (۳:۸۳)

کیا یہ دین الٰہی کو چھوڑ کر کسی اور کے آگے سر جھکانا چاہتے ہیں؟ حالانکہ آسمان و زمین میں کوئی نہیں، جو اس دین الٰہی کا مسلم یعنی مطیع و منقاد نہ ہو۔

اور آسمان و زمین پر کیا موقوف ہے اگر خود اپنے اندر بھی دیکھیے تو جسم انسانی کا کون سا حصہ ہے، جس پر حقیقت اسلامی طاری نہیں؟ خود آپ کو تو اس کے آگے جھکنے سے انکار ہے لیکن اس کی خبر نہیں کہ آپ کے اندر جو کچھ ہے، اس کا ایک ایک ذرہ کس کے آگے سر بسجود ہے؟ دل کے لیے یہ شریعت مقرر کر دی گئی کہ اپنے قبض و بسط سے جسم کے تمام حصوں میں خون کی گردش جاری رکھے کہ اس کا اضطراب والتہاب ہی روح کے سکونِ حیات کا ذریعہ ہے۔ نیز حرکت کی ایک مقدار مقرر کر دی اور خون کے دخل و خرج کے لیے ایک پیمانۂ اعتدال بنا دیا۔ پھر ذرا اپنے بائیں پہلو پر ہاتھ رکھ کر دیکھیے کہ اس عجیب و غریب مضغۂ گوشت نے کس استغراق و محویت کے ساتھ حقیقتِ اسلامی کے آگے سر جھکا دیا ہے کہ ایک لمحہ کے لیے بھی اس سے غافل نہیں اور اگر ایک چشم زدن کے لیے بھی سرکشی کا سر اٹھائے، تو نظام حیاتِ بدن کا کیا حال ہو؟ اسی طرح کارخانۂ جسم کے ایک ایک پرزے کے تشریحی فرائض پر نظر ڈالیے اور دیکھیے کہ آپ کے اندر سر سے لے کر پاؤں تک جس قدر زندگی ہے، اس حقیقت اسلامی ہی کے نظام سے ہے۔ آنکھوں کا ارتسام انعکاس، کانوں کی قوت سامعہ، معدے کا فعل انہضام اور سب سے بڑھ کر طلسم سرائے دماغ کے عجائب و غرائب، سب اسی لیے کام دے رہے ہیں کہ "مسلم" ہیں اور حقیقت اسلامی کے اطاعت شعار۔ آپ کے جسم کی رگوں کے اندر جو خون دوڑ رہا ہے، کبھی آپ نے یہ بھی سوچا کہ کس کے حکم کی سطوت و جبروت ہے، جو اس رہ نوردِ لیل و نہار کو دوڑا رہی ہے؟

وَفِيْٓ اَنْفُسِكُمْ اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ (۵۱:۲۱)

اگر باہر کی طرف سے تمہاری آنکھیں بند ہیں تو کیا اپنے نفس کے اندر بھی نہیں دیکھتے؟

اور یہی اشارہ ہے، جو اس آیت کریمہ میں کیا گیا ہے کہ:

سَنُرِيهِمْ آيَاتِنَا فِي الْآفَاقِ وَفِي أَنفُسِهِمْ حَتَّىٰ يَتَبَيَّنَ لَهُمْ أَنَّهُ الْحَقُّ

(۵۳:۴۱)

ہم اپنی نشانیاں عالم کائنات کے مختلف اطراف و جوانب میں بھی دکھلائیں گے اور انسان کے نفس کے اندر بھی، یہاں تک کہ ان پر ظاہر ہو جائے گا کہ یہ دین الٰہی برحق ہے۔

اور یہی حقیقت اسلامی کی وہ اطاعت شعاری ہے، جس کو لسان الٰہی نے عالم کائنات کی تسبیح و تقدیس سے تعبیر کیا ہے۔ کیونکہ فی الحقیقت اس عالم کا ہر وجود اپنے فنائے اسلامی کی زبان حال سے اُس سبوح و قدوس کی عبادت میں مشغول ہے:

تُسَبِّحُ لَهُ السَّمَاوَاتُ السَّبْعُ وَالْأَرْضُ وَمَن فِيهِنَّ ۚ وَإِن مِّن شَيْءٍ إِلَّا يُسَبِّحُ بِحَمْدِهِ وَلَٰكِن لَّا تَفْقَهُونَ تَسْبِيحَهُمْ ۗ إِنَّهُ كَانَ حَلِيمًا غَفُورًا

(۴۴:۱۷)

تمام آسمان اور تمام زمینیں اور جو کچھ ان کے اندر ہے، سب کے سب اسی خدا کی تسبیح و تقدیس میں مشغول ہیں اور کائنات میں کوئی چیز نہیں، جو زبانِ اطاعت سے اس کی حمد و ثنا اور تسبیح و تقدیس نہ کرتی ہو مگر ان کی اس آواز کو نہیں سمجھتے اور اس پر غور نہیں کرتے۔ بلاشبہ وہ بڑا ہی بردبار ہے اور بڑا ہی بخشنے والا۔

خلافتِ انسانی اور حقیقتِ اسلام

اور یہی وہ عہد و میثاقِ عبودیت تھا، جس کا اقرار صحبت ازل کے ہر جرعہ نوش جام "بلیٰ" سے لیا گیا اور حقیقت اسلامی کی محویت اولیٰ نے سب کی زبان سے بے اختیار (۱) یہ اقرار اتقیاد کرا لیا:

وَإِذْ أَخَذَ رَبُّكَ مِن بَنِي آدَمَ مِن ظُهُورِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ وَأَشْهَدَهُمْ عَلَىٰ أَنفُسِهِمْ أَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ ۖ قَالُوا بَلَىٰ (۱۷۲:۷)

اور وہ وقت یاد کرو، جب تمہارے پروردگار نے بنی آدم سے اس کی ذریت کو (بصورت تعین اولیٰ) نکالا اور ان کے مقابلے میں خود انہی سے شہادت

دلا دی۔ اس طرح کہ ان سے پوچھا: کیا میں تمہارا آمر و حاکم اور رب الارباب نہیں ہوں؟ سب نے اطاعت کے سر جھکا دیے کہ۔ بے شک، تو ہی مستحق اطاعت ہے۔

اور اسی حقیقت اسلامی کے آگے سر جھکانے کا نتیجہ وہ سر بلندی ہے، جو انسان کو تمام مخلوقات ارضیہ میں حاصل ہے اور جس کی وجہ سے وہ اللہ تعالیٰ کے صفاتِ کاملہ کا مظہر اور زمین پر اس کا خلیفہ قرار پایا۔ اس نے جب اللہ کے آگے سرِ اطاعت جھکا دیا تو اللہ نے اُن تمام مخلوقات ارضیہ کو، جن کے سر اس کے آگے جھکے ہوئے تھے، حکم دیا کہ اس جھکنے والے کے آگے بھی جھک جاؤ کہ:

من تواضع لله، رفعه الله

وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِيٓ اٰدَمَ وَحَمَلْنٰهُمْ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَرَزَقْنٰهُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ

(۱۷:۷۰)

اور ہم نے شرف و کرامت عطا فرمایا نسل انسانی کو اور تمام خشکی اور تری کی چیزوں کو حکم دیا کہ اس کے مطیع ہو جائیں اور اس کو اٹھا لیں اور اس کے لیے دنیا میں بہترین اشیاء پیدا کر دیں۔

حقیقتِ اسلامیہ کا عہدِ حقیقی یا قوتِ شیطانی

کائنات کی ہر مخلوق نے اس حکم کی تعمیل کی کیونکہ ان کے سر تو اس کے آگے جھکے ہوئے تھے، پر ایک شریر ہستی تھی جس نے غرور و تکبر کے ساتھ کفر کا سر اٹھایا اور انسان کی اطاعت سے انکار کر دیا:

وَاِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِيْسَ اَبٰى وَاسْتَكْبَرَ وَكَانَ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ (۲:۳۴)

اور جب تمہارے پروردگار نے ملائکہ کو حکم دیا کہ نوع آدم کے آگے اطاعت کے سر جھکا دو، تو سب جھک گئے مگر ایک ابلیس تھا، جس نے انکار کیا اور کبر و غرور کا سر اٹھایا اور وہ یقیناً کافروں میں سے تھا۔

"وَكَانَ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ" کیونکہ اسلام کے معنی جھکنے کے ہیں اور کفر نام ہے سرکشی کا۔

''ابلیس'' نے جھکنے سے انکار کیا اور سرکشی کا سر اٹھایا، پس ''وہ ضرور کافروں میں سے تھا''

یہی ایک شریر طاقت ہے، تمام سرکشیوں اور ہر طرح کے ظلم وطغیان کا مبدء ہے۔ یہی وہ تاریکی کا اہرمن ہے، جو یزدانی نور وضیاء کے مقابلے میں اپنے تئیں پیش کرتا ہے۔ یہی وہ قہرمان ضلالت ہے، جو انسان کے پاؤں میں اپنی اطاعت کی زنجیریں ڈال کر اس کو اسلامی اطاعت سے باز رکھتا ہے۔ یہی وہ ابوالکفر ہے، جس کی ذریت انسان کے اندر اور باہر، دونوں میں پھیلی ہوئی ہے اور جو جب چاہتا ہے، انسان کے مجرائے دم کے اندر پہنچ کر اپنی ضلالت کے لئے راہ پیدا کر لیتا ہے اور، یہی وہ اسلام کی حقیقت کا اصلی ضد اور اس کی قوتِ ہدایت کا قدیمی دشمن ہے، جس نے اپنے کفر کے پہلے ہی دن کہہ دیا تھا کہ:

قَالَ اَرَءَيْتَكَ هٰذَا الَّذِىْ كَرَّمْتَ عَلَىَّ لَئِنْ اَخَّرْتَنِ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ لَاَحْتَنِكَنَّ ذُرِّيَّتَهٗۤ اِلَّا قَلِيْلًا (۶۲:۱۷)

شیطان نے آدم کی طرف حقارت کے ساتھ اشارہ کر کے کہا کہ یہی ہے، جس کو تو نے مجھ پر فوقیت دی ہے لیکن اگر تو مجھ کو روز قیامت تک مہلت دے، تو میں اپنی قوت ضلالت سے اس کی تمام نسل کو تباہ کر دوں، البتہ وہ تھوڑے سے لوگ، جن پر میرا جادو نہ چلے گا، میری حکومت سے باہر رہ جائیں گے۔

لیکن خدا تعالیٰ نے یہ کہہ کر جھڑک دیا کہ:

قَالَ اذْهَبْ فَمَنْ تَبِعَكَ مِنْهُمْ فَاِنَّ جَهَنَّمَ جَزَآؤُكُمْ جَزَآءً مَّوْفُوْرًا. وَ اسْتَفْزِزْ مَنِ اسْتَطَعْتَ مِنْهُمْ بِصَوْتِكَ وَ اَجْلِبْ عَلَيْهِمْ بِخَيْلِكَ وَ رَجِلِكَ وَ شَارِكْهُمْ فِى الْاَمْوَالِ وَ الْاَوْلَادِ وَ عِدْهُمْ وَ مَا يَعِدُهُمُ الشَّيْطٰنُ اِلَّا غُرُوْرًا (۱۷:۶۳، ۶۴)

جادور ہو! جو شخص نسل آدم میں سے تیری متابعت کرے گا، اس کے لیے اور تم سب کے لیے عذاب جہنم کی پوری پوری سزا ہوگی۔ ان میں سے جن جن کو تو اپنی پرفریب صداؤں سے بہکا سکتا ہے، بہکا لے، ان پر اپنی فوج کے سواروں اور پیادوں سے چڑھائی کر دے، ان کی

مال و دولت اور اولاد و فرزند میں شریک ہو کر اپنا ایک حصہ لگا لے اور ان سے جتنے جھوٹے وعدے کر سکتا ہے کر لے، شیطان کے وعدے مخفی دھوکے اور فریب سے زیادہ نہیں ہیں۔

پھر یہی ہے جس کو خواہ تم اپنے سے خارج دیکھو، یا خود اپنے اندر تلاش کرو، اس کے حکمِ ضلالت کے احکام دونوں جگہ جاری ہیں۔ وہ کبھی تمہاری رگوں کے اندر کے خون میں اپنی ذریات کو اتار دیتا ہے تاکہ تم پر اندر سے حملہ کرے، کبھی باہر سے آ کر تمہارے دماغ و حواس پر قابض ہو جاتا ہے تاکہ تم کو اپنے آگے جھکا کر خدا کے آگے جھکنے سے باز رکھے۔ وہ کبھی تمہارے مال و متاع میں، کبھی محبت اہل و عیال میں، اور کبھی عام محبوبات و مرغوبات دنیویہ میں شریک ہو جاتا ہے اور اس طرح تمہاری ہر شے خدا کی جگہ اس کے لیے ہو جاتی ہے۔ تم چلتے ہو تو اس کے لیے، کھاتے ہو تو اس کے لیے اور پہنتے ہو تو اس کے لیے، حالانکہ حقیقت اسلامی چاہتی ہے کہ تم جو کچھ کرو خدا کے لیے کرو۔

ہر تاریکی جو روشنی کو چھپانا چاہتی ہے، ہر سیاہی جو سفیدی کے مقابلے میں ہے، ہر تمرد و سر کشی جو اطاعت الٰہی کی ضد ہے اور ہر وہ شے، جو حقیقت اسلامی سے خالی ہے، یقین کرو کہ شیطان ہے اور دنیا کی ہر لذت اور ہر راحت، جس کا انہماک اس درجہ تک پہنچ جائے کہ وہ حقیقت اسلامی کے انقیاد پر غالب آ جائے، شیطان کی ذریت میں داخل، پس اس کے وجود کی نسبت کیوں سوچتے ہو کہ وہ کیسا ہے اور کہاں ہے؟ اس کو دیکھو کہ وہ تمہارے ساتھ کر کیا رہا ہے؟ (مسیح علیہ السلام) نے کہا کہ ایک نوکر دو آقاؤں کو خوش نہیں کر سکتا اور قرآن حکیم کہتا ہے کہ:

مَا جَعَلَ اللّٰهُ لِرَجُلٍ مِّنْ قَلْبَيْنِ فِي جَوْفِهٖ. (۴:۳۳)

اللہ نے کسی انسان کے پہلو میں دو دل نہیں رکھے ہیں، بلکہ دل ایک ہی ہے۔

پس ایک دل کے سر بھی دو چوکھٹوں پر نہیں جھک سکتے اور دنیا میں دل ہی ایک ایسا جوہر ہے، جس کی تقسیم نہیں ہو سکتی۔ یا وہ قوت شیطانی کا مطیع و منقاد ہو گا یا قوتِ رحمانی کا۔ یا وہ شیطان کا عبادت گزار ہو گا، یا خدائے رحمان کا اور عبادت و پرستش سے مقصود یہی نہیں کہ پتھر کا ایک بت تراش کر اس کے آگے سر بہ سجود رہو۔ یہ تو وہ ادنیٰ شرک ہے، جس سے قریش مکہ کا خیال بھی بلند تھا۔ بلکہ ہر وہ انقیاد، ہر وہ سخت و شدید انہماک اور ہر وہ استغراق و استیلا، جو

حقیقت اسلامی کے انقیاد اور محبت الٰہی پر غالب آ جائے اور تم کو اس طرح اپنی طرف کھینچ لے کہ جس کی طرف تمہیں کھنچنا تھا، اس کی طرف سے گردن موڑ لو، درحقیقت وہی تمہاری پرستش و عبادت کا بت ہے اور تم اس کے بت پرست اور اصلی و حقیقی شرک کے مشرک۔ یہی سبب ہے کہ حقیقت شناسانِ توحید نے فرمایا:

من شغلك عن الله فهو صنمك

(جس چیز نے تم کو اللہ سے الگ کر کے اپنی طرف متوجہ کر لیا، وہی تمہارے لیے بت ہے اور تم اس کے پوجنے والے ہو)

خواہ وہ جنت کی ہوس اور حور و قصور کا شوق ہی کیوں نہ ہو؟ (رابعہ بصریہ) سے جب پوچھا کہ: ماالشرک؟ شرک کی حقیقت کیا ہے؟ تو اس نے کہا کہ:

طلب الجنة ، واعراض عن ربها

جنت کی طلب کرنا اور مالک جنت کی طرف سے غافل ہو جانا!

یہی سبب ہے کہ قرآن کریم نے ہوائے نفس کو معبود والٰہ کے لفظ سے تعبیر کیا ہے:

اَرَءَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰهَهٗ هَوٰاهُ (۲۵:۴۳)

آیا تم اس گمراہ کو نہیں دیکھتے، جس نے ہوائے نفس کو معبود بنا لیا ہے۔

اور کس قدر میرے مطلب کو واضح تر کر دیتی ہے سورۂ یٰسین کی وہ آیت، جس میں فرمایا کہ:

اَلَمْ اَعْهَدْ اِلَيْكُمْ يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ اَنْ لَّا تَعْبُدُوا الشَّيْطٰنَ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ وَّاَنِ اعْبُدُوْنِيْ هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيْمٌ (۳۶:۶۰-۶۱)

کیا ہم نے تم سے اے اولادِ آدم! اس کا عہد نہیں لے لیا تھا کہ شیطان کی پوجا سے باز رہو، کیونکہ وہ تمہارا ایک کھلا دشمن ہے اور صرف ہماری ہی عبادت کرو کہ یہی ہدایت کی حقیقی راہ ہے؟

یہاں شیطان کی اطاعت کو بندگی اور عبادت کے لفظ سے تعبیر کیا اور عبادت الٰہی کے اس عہد و میثاق کو یاد دلایا جو "اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ" کے سوال کے جواب میں تمام بنی آدم سے لیا جا چکا ہے۔ پس حقیقت اسلامی یہ چاہتی ہے کہ انسان، قوتِ شیطانی سے باغی ہو کر صرف خدا تعالیٰ کا ہو

جائے اور اس کے آگے سرِ انقیاد جھکا کر اپنے ''میثاقِ بلیٰ'' کی تجدید کرے۔ تاکہ وہ اللہ کا بندہ ہو اور اللہ کا بندہ وہی ہے جو شیطان کا نہیں ہے:

اِنَّ عِبَادِیْ لَیْسَ لَکَ عَلَیْهِمْ سُلْطٰنٌ وَ کَفٰی بِرَبِّکَ وَکِیْلًا (۱۷:۶۵)

خدا تعالیٰ نے شیطان سے کہا کہ جو ''میرے بندے'' ہیں ان پر تیری حکومت نہیں چلنے کی اور خدا اپنے بندوں کی کارسازی کے لیے بس کرتا ہے۔

یہاں ان بندگانِ مخلصین کو جو شیطان کے اثر واستیلا سے محفوظ ہوں، خدا نے اپنی طرف نسبت دی کہ ''اِنَّ عِبَادِیْ'' جو لوگ میرے بندے ہیں، حالانکہ کون ہے جو اس کا بندہ نہیں؟ مگر مقصود یہ تھا کہ میرے بندے تو وہی ہیں، جو صرف میرے لیے ہیں لیکن جنہوں نے میرے آگے جھک کر، پھر اپنے سر کو دوسری چوکھٹوں پر بھی جھکا دیا ہے، تو دراصل انہوں نے بندگی کا رشتہ کاٹ دیا۔ گو وہ میرے تھے، لیکن اب میرے باقی نہیں رہے کیونکہ انہوں نے توحید محبت کو شرکت غیر سے محفوظ نہیں رکھا (افسوس کہ یہ موقع اس بیان کی تشریح وتفصیل کا مقتضی نہیں اور مطالب اصلی منتظر رجوع)

رجوع الی المقصود

پس لفظ ''اسلام'' کے معنی ہیں کسی چیز کے حوالہ کر دینے اور گردن رکھ دینے کے اور یہی حقیقت دین اسلام کی ہے کہ انسان اس رب الارباب کے آگے اپنی گردن رکھ دے اور اس انقطاع اور انقیادِ حقیقی کے ساتھ کہ گویا اس نے اپنی گردن اس کے سپرد کر دی اور کوئی حق وملکیت اور مطالبہ اس کا باقی نہیں رہا۔ اب وہ اپنی کسی شے کا، خواہ وہ اس کے اندر ہو یا باہر، مالک نہیں رہا، بلکہ ہر شے اسی قوت الہیہ کی ہو گئی، جس کا نام ''اسلام'' ہے۔

مہالک وخطراتِ حیات

انسان کے اندر اور انسان کے باہر، سیکڑوں مطالبات ہیں، جو اس کو اپنی طرف کھینچ رہے ہیں۔ اس کے اندر سب سے بڑے مظہر ابلیس، یعنی نفس کی قوت قاہرہ کی دست طلب بڑھا ہوا ہے اور وہ ہر دم، ہر لمحے اس کی ہر شے کو اس سے مانگ رہا ہے، تاکہ اس کو خدائی جگہ اپنا بنا لے۔ باہر دیکھتا ہے تو محبوبیتِ دنیوی اور مہالکِ حیات کے دام قدم قدم پر بچھے ہوئے ہیں اور جس طرف

جاتا ہے اس سے اس کا قلب و دماغ مانگا جاتا ہے، تاکہ اسے خدا سے چھین لیں۔ جذبات اور خواہشوں کے بے اعتدالانہ اقدامات کی فوجوں نے اس کے دماغ کا محاصرہ کر لیا ہے، آزمائشوں اور امتحانوں کی کثرت سے اس کا ضمیر اور دل ایک دائمی شکست سے مجبور ہے۔ اہل و عیال، عزت و جاہ، مال و دولت کے "قناصیر مقنطرہ" اور تمام وہ چیزیں، جن کو قرآن زینت حیات دنیا سے تعبیر کرتا ہے، اس کے کمزور دل کے لیے اپنے اندر ایک ایسی پر کشش سوال رکھتی ہیں، جس کو رد کرنا اس کے لیے سب سے بڑی آزمائش ہو جاتا ہے:

زُيِّنَ لِلنَّاسِ حُبُّ الشَّهَوٰتِ مِنَ النِّسَاءِ وَالْبَنِيْنَ وَ الْقَنَاطِيْرِ الْمُقَنْطَرَةِ مِنَ الذَّهَبِ وَ الْفِضَّةِ وَ الْخَيْلِ الْمُسَوَّمَةِ وَ الْاَنْعَامِ وَ الْحَرْثِ (۳:۳)

انسان کی حالت اس طرح کی واقع ہوئی ہے کہ اس کے لیے دنیا کی مرغوب چیزوں مثلاً اہل و عیال، سونے چاندی کے ڈھیر، عمدہ گھوڑے، مویشی اور کاشت کاری میں بڑی دل بستگی ہے۔

پس انقیاد اسلامی کے معنی یہ ہیں کہ انسان اپنی جنس دل و جان کے بہت سے خریدار نہ بنائے، بلکہ ایک ہی خریدار سے معاملہ کرلے۔ وہ ان تمام مانگنے والوں سے جن کے ہاتھ اس کی طرف بڑھے ہوئے ہیں اپنے تئیں بچائے اور اس ایک ہاتھ کو دیکھے، جو باوجود اس کی طرح طرح کی بے وفائیوں کے پھر بھی وفائے محبت کے ساتھ اس کی طرف بڑھا ہوا ہے اور گو اس نے اپنے متاع دل و جان کو کتنا ہی ناقص اور خراب کر دیا ہو لیکن پھر بھی بہتر سے بہتر قیمت دے کر خریدنے کے لیے موجود ہے اور صدائے محبت:

من تقرب الیّ شبراً، تقربت الیہ ذراعا [5]

سے ہر آن و ہر لحہ عشق نواز، ہر قلب مشتاق ہے۔ یہ خواہ کتنی ہی پیمان شکنیاں کرے لیکن وہ اپنا عہد محبت آخر تک نہیں توڑتا کہ:

یابن آدم! لو ذنبك عنان السماء ثم استغفرتنی، لغفرت لك

اور جس کی وفائے محبت کا یہ حال ہے کہ خواہ تم تمام عمر اسے اپنے سے کتنا ہی روٹھا ہوا رکھو لیکن اگر انابت و اضطرار کا ایک آنسو بھی سفارش کے لیے ساتھ لے جاؤ تو وہ پھر بھی ملنے کے لیے

تیار ہے اور جس کے دروازے سے خواہ کتنا ہی بھاگو لیکن پھر بھی اگر شوق کا ایک قدم بڑھاؤ تو وہ دو قدم بڑھ کر تمہیں لینے کے لیے منتظر ہے:

الا طال شوق الابرار الی تعالیٰ، وانا الیہم لاشد شوقا[1]

و النعم ما قیل:

عاشقاں ہر چند مشتاق جمال دلبر اند
دلبراں بر عاشقاں از عاشقان عاشق ترند

جس کا دروازۂ قبولیت کبھی بند نہیں اور جس کے یہاں مایوسی سے بڑھ کر اور کوئی جرم نہیں:

قُلْ يٰعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ اِنَّ اللّٰهَ يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِيْعًا اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ (۵۳:۳۹)

"اے وہ میرے بندو! کہ گناہوں میں ڈوب کر تم نے اپنے نفوس پر سخت زیادتیاں کی ہیں، خواہ تم کیسے ہی غرقِ معصیت ہو، مگر پھر بھی اس محبت فرما کی رحمت سے ناامید نہ ہو۔ یقیناً وہ تمہارے تمام گناہوں کو معاف کر دے گا۔ بے شک وہی درگزر کرنے والا ہے اور اس کی بخشش و رحم عام ہے۔"

با گنہ گاراں بگویم تا نینداز ند دل
من وفائے دوست را در بے وفائی یافتم

اب اس قدر طولیہ و تمہید کے بعد قرآن کریم کی طرف رجوع کرو کہ وہ اس حقیقتِ اسلامی کو بار بار دوہراتا ہے یا نہیں؟ اوّل تو خود لفظ "اسلام" ہی اس حقیقت کے وضوح کے لیے کافی ہے، لیکن اگر کافی نہ ہو تو جس قدر کہہ چکا ہوں، اس سے زیادہ کہنے کے لیے ابھی باقی ہے۔ قرآن کریم میں جہاں کہیں اسلام کا لفظ آیا ہے، غور کیجیے تو اس حقیقت کے سوا اور کوئی معنی ثابت نہ ہوں گے:

وَمَنْ يُّسْلِمْ وَجْهَهٗٓ اِلَى اللّٰهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقٰى

(۳۱:۲۲)

اور جس کسی نے اپنا منہ اللہ کی طرف جھکا دیا (یا اپنی گردن اللہ کے حوالے کردی) اور اعمال حسنہ انجام دیے، تو بس دین الٰہی کی مضبوط رسی اس کے ہاتھ آ گئی۔

دوسری جگہ فرمایا:

وَ مَنْ اَحْسَنُ دِيْنًا مِّمَّنْ اَسْلَمَ وَجْهَهٗ لِلّٰهِ وَ هُوَ مُحْسِنٌ (۴:۱۲۵)

اور اس شخص سے بہتر کس کا دین ہو سکتا ہے، جس نے اللہ کے لیے اپنا سر جھکا دیا (یا اللہ کے لیے حوالے کر دیا) اور اعمال حسنہ انجام دیے؟

سورہ عمران کی ایک آیت میں جو اسلام کی حقیقت کی تفصیل وتشریح کے لیے ایک جامع ترین آیت ہے، اسلام کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا:

اِنَّ الدِّيْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْاِسْلَامُ (۳:۱۸)

دین اللہ کے یہاں صرف ایک ہی ہے اور وہ اسلام ہے۔

پھر اس کے بعد فرمایا:

فَاِنْ حَآجُّوْكَ فَقُلْ اَسْلَمْتُ وَجْهِيَ لِلّٰهِ وَ مَنِ اتَّبَعَنِ وَ قُلْ لِّلَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ وَ الْاُمِّيّٖنَ ءَاَسْلَمْتُمْ فَاِنْ اَسْلَمُوْا فَقَدِ اهْتَدَوْا وَ اِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّمَا عَلَيْكَ الْبَلٰغُ وَ اللّٰهُ بَصِيْرٌۢ بِالْعِبَادِ (۳:۲۰)

اور اگر منکرین اس بارے میں تم سے حجت کریں، تو کہہ دو کہ میں نے اور میرے پیروؤں نے تو صرف اللہ ہی کے آگے اپنا سر جھکا دیا ہے اور یہود و نصاریٰ اور مشرکین عرب سے پوچھو کہ تم بھی اس کے آگے جھکے یا نہیں؟ سو اگر وہ جھک گئے (یعنی مسلم ہو گئے) تو بس انہوں نے ہدایت پالی اور اگر انہوں نے گردنیں موڑ لیں، تو وہ جانیں اور ان کا کام جانے۔ تمہارا فرض تو حکم الٰہی پہنچا دینا تھا اور اللہ اپنے بندوں کو ہر حال میں دیکھ رہا ہے۔

اسی طرح ایک دوسری جگہ تعلیم فرمایا کہ کہو:

وَاُمِرْتُ اَنْ اُسْلِمَ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ (۴۰:۶۶)

اور مجھ کو حکم دیا گیا ہے کہ ہر طرف سے منہ پھیر کر اس کے آگے جھک جاؤں، جو تمام جہانوں کا پروردگار ہے۔

اسلام کے مقابل "ولّی" اور "تولّی"

یہی وجہ ہے کہ قرآن کریم میں ہر جگہ اسلام کے ساتھ منکرین اسلام کے لیے "ولی" اور "اعرض" کا لفظ استعمال کیا گیا ہے۔ "**ولی عن الشیء**" کے معنی لغت میں "اعرض" کے ہیں اور "**ولی عنه**" اسی طرح "**اعرض عنه**" ہر جگہ پاؤ گے، یعنی کسی چیز کی طرف سے منہ موڑ لینا اور گردن پھیر لینا:

وَ إِذَا تُتْلَى عَلَيْهِ اٰيٰتُنَا وَلّٰى مُسْتَكْبِرًا كَاَنْ لَّمْ يَسْمَعْهَا (۷:۳۱)

اور جب ان میں سے کسی منکر کو قرآن کی آیتیں سنائی جاتی ہیں، تو پیچان غرور سے اکڑتا ہوا گردن پھیر کر چل دیتا ہے۔

اسی طرح اور سینکڑوں مقامات میں فرمایا:

فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقُلْ حَسْبِيَ اللّٰهُ (۹:۱۲۹)

اگر وہ تیری طرف سے گردن پھیر لیں تو کہہ دے کہ مجھ کو خدا بس کرتا ہے:

وَلَّوْا عَلٰى اَدْبَارِهِمْ نُفُوْرًا (۱۷:۴۶)

جب کفار کے آگے ذکر الٰہی کرو، تو وہ پیچھے کی طرف منہ موڑ کر نفرت کناں چل دیتے ہیں۔

چونکہ اسلام کی حقیقت اللہ کے آگے سر جھکا دینا اور اپنی گردن اس کے سپرد کر دینا ہے، اس لیے اس سے انکار کو ہر جگہ "**تولّی**" اور "اعراض" سے تعبیر کیا گیا ہے:

كَذٰلِكَ يُتِمُّ نِعْمَتَهٗ عَلَيْكُمْ لَعَلَّكُمْ تُسْلِمُوْنَ . فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّمَا عَلَيْكَ الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ .(۱۶:۸۱-۸۲)

اور اسی طرح اللہ اپنی نعمتیں تم پر پوری کرتا ہے، تا کہ تم اس کے آگے جھکو اور اے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم! اگر باوجود اس کے بھی لوگ گردن نہ جھکائیں، تو تمہارا فرض تو صرف حکم الٰہی پہنچا دینا ہی ہے۔

حواشی

1. یعنی ایسی سرزمین، جہاں زراعت وفلاحت کا نام ونشان نہیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی دعا میں فرمایا تھا کہ "ربنا انی اسکنت من ذریتی بواد غیر ذی زرع عند بیتک المحرم" یعنی الٰہی میں نے اس بیابان مکہ میں اپنی اولاد لا کر بسائی ہے، جہاں زراعت کا نام ونشان نہیں، پس "وادی ذی غیرزرع" اسی آیت سے ماخوذ اور اسی کی طرف اشارہ ہے۔
2. "اسوہ" کا لفظ اس مضمون میں بار بار آیا ہے، اس سے اس کا صحیح مطلب سمجھ لینا چاہیے۔ (امام راغب) مفردات میں لکھتے ہیں: "الاسوہ کالقدوہ، والقدوۃ الحالۃ التی یکون الانسان علیہ فی اتباع غیرہ، وان حسنا وان ساء، ویقال تاسیت بہ، ای اقتدیت بہ" یعنی لفظ "اسوہ" مثل قدوہ کے ہے اور قدوہ اس حالت کو کہتے ہیں، جس کو کسی دوسرے میں دیکھ کر، انسان اس کی پیروی کرے، خواہ وہ اچھی ہو یا بری، چنانچہ کہتے ہیں کہ "تاسیت بہ" یعنی میں نے اس کی پیروی کی۔ پس اسوہ سے مقصود ایسی پیش نظر حالت ہے، جس کی پیروی اور متابعت کی جائے، ہم نے اس کا ترجمہ "نمونہ" کر دیا ہے، کیونکہ اردو میں کوئی اور لفظ مفہوم کے لیے ذہن میں نہیں آیا۔ معلوم نہیں شاہ صاحب نے کیا ترجمہ کیا ہے، عجلت تحریر میں ان کے ترجمے کے نکلوانے کی مہلت نہیں ملی۔
3. یہ ایک نہایت ضروری اور مستقل بحث ہے اور فی الحقیقت اسوہ ابراہیمی میں سے پہلا اسوہ یہی قلب سلیم یا ذوق فطرت کی صحت ہے۔ مولانا روم کی اس نکتے پر نظر تھی، انھوں نے مثنوی کے کئی موقعوں میں اس پر نہایت لطیف بحث کی ہے۔ کسی وقت ایک مستقل عنوان سے بالتفصیل لکھوں گا۔
4. ہم نے محسنین کا ترجمہ اعمال حسنہ وغیرہ کا لفظ نہیں لکھا، بلکہ "مقام احسان" سے تعبیر کیا، مقام احسان سے مراد وہ مقام ہے، جس کی طرف بخاری شریف کی حدیث جبریل میں اشارہ کیا گیا ہے۔
5. صحاح کی مشہور حدیث قدسی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو مخاطب کر کے فرمایا ہے: جو شخص میری طرف ایک بالشت بھر بڑھے گا، میں ایک گز بڑھ کر اس سے ملوں گا۔
6. یعنی میرے دیدار کے لیے میرے مشتاقوں کا شوق بڑھا ہوا ہے، حالانکہ میں ان کے لیے ان سے زیادہ مشتاق ہوں۔ صاحب فردوس نے ابی درداء کی روایت سے اس حدیث قدسی کو لکھا ہے اور پھر امام غزالی احیاء میں لائے ہیں لیکن احادیث کے بارے میں امام صاحب کی بے احتیاطیاں جس حد تک پہنچی ہوئی ہیں اور

باب نظر سے مخفی نہیں۔ مجھے یہ حدیث لکھتے وقت یکا یک یاد آ گئی اور ذاتی مطالب سے بے اختیار ہو کر لکھ گیا لیکن آپ کہ پرون دیکھ رہا ہوں ظاہر کر دیتا ہوں کہ اس حدیث کو بلحاظ معنی کے لکھا ہے نہ کہ بلحاظ الفاظ۔ چونکہ اس کا مطلب مشہور حدیث صحیح:

من تقرب الیّ شبراً تقربت الیه ذراعاً

کے بالکل مطابق ہے، اس لیے اس کا ذکر احتیاط حدیث کے منافی نہیں۔

❋ ❋ ❋

(حصہ دوم)

خطبات جمعہ وعیدین

مولانا ابوالکلام آزادؒ

مسلمانوں کی اجتماعی زندگی

برادران عزیز! عید کا خطبہ جتنا اہم ہے اتنا ہی اس کا وقت مختصر ہے۔ میں طوالت کو نظر انداز کر کے آپ سے بہت ہی مختصر عرض کروں گا۔

برادران عزیز! تم کو معلوم ہے کہ ہر اسلامی حکم میں انفاق کا عنصر غالب نظر آتا ہے۔ انفاق کے معنی یہ ہیں کہ اسلام تمہاری جیبوں سے کچھ چاہتا ہے۔ حج، زکوٰۃ اور دوسرے احکام میں یہی بات پاؤ گے۔ تفصیل کا موقع نہیں ہے۔

عید کے موقع پر تم لوگوں میں بہت سے لوگوں نے فطرانہ دے دیا ہوگا اور بہت سے لوگ فطرانہ دیں گے لیکن میں کہوں گا کہ تم میں فطرانہ، صدقہ اور زکوٰۃ تقسیم کرنے کا طریقہ اچھا نہیں ہے۔ میں دیکھتا ہوں کہ اس موقع پر ہندوستان کے ہر گوشے سے بھیک مانگنے والے اور گداگر اپنی اپنی جھولیاں لیے کلکتہ پہنچ جاتے ہیں۔

زکوٰۃ کیا ہے؟

برادران عزیز! تم جانتے ہو کہ زکوٰۃ کیا ہے زکوٰۃ ایک انکم ٹیکس ہے جو اسلام نے ہر اس آدمی پر عائد کیا ہے جس نے سال کے بارہ مہینوں میں کما پی کر ایک خاص رقم جمع کر لی ہو۔ اسلام کی زکوٰۃ یعنی ٹیکس یہ ہے کہ جس آدمی نے سال بھر چالیس روپے جمع کر لیے ہوں وہ ایک روپیہ ٹیکس داخل کرے۔ انگریزی حکومت بھی ٹیکس لیتی ہے لیکن اس ٹیکس اور اسلامی ٹیکس میں فرق یہ ہے کہ حکومت ٹیکس لے کر اپنے کاموں میں خرچ کرتی ہے اور اسلام ٹیکس کی رقمیں غرباء، مساکین اور محتاجوں میں تقسیم کرا دیتا ہے۔ اسلام نے ٹیکس کی رقموں کو صرف کرنے کے لیے آٹھ حلقے بنائے ہیں اور یہ حلقے غرباء او محتاجوں کے حلقے ہیں۔

برادران عزیز! قرآن حکیم میں زکوٰۃ کا صاف وصریح حکم موجود ہے۔ اللہ تعالیٰ نے زکوٰۃ ہر صاحب نصاب پر فرض کی ہے۔ قرآن حکیم میں نماز اور زکوٰۃ کا ایک ساتھ بار بار ذکر آیا ہے لیکن ہندوستان کے مسلمان اس اہم فرض کی ادائیگی کی طرف متوجہ نہیں۔ تم میں سے بعض لوگ زکوٰۃ نہیں دیتے ہیں لیکن زکوٰۃ دینے والے بھی نہ دینے والوں کے برابر ہیں کیونکہ وہ اسلامی احکام کے مطابق زکوٰۃ نہیں دیتے۔

ادائے زکوٰۃ کا طریق کار

تم کو معلوم ہے کہ انکم ٹیکس وصول کرنے کے لیے حکومت کی طرف سے کلکٹر مقرر ہوتے ہیں جو دفاتر اور کھاتوں کی جانچ پڑتال کر کے ٹیکس کی رقمیں متعین کرتے ہیں لیکن اسلامی ٹیکس (زکوٰۃ) نکالنے میں اس قسم کی کوئی صورت پیش نہیں آتی۔ اسلام نے اپنے ٹیکس کی ادائیگی میں تمہیں کتنی آسانیاں دے رکھی ہیں۔ تم خود اپنے کاروبار اور اپنی زندگی کا جائزہ لو، اپنی آمدنی کا تعین کرو اور اپنے ہی ہاتھوں سے زکوٰۃ نکالو، کیا اس سے بھی زیادہ آسانیاں ممکن ہیں؟

برادران عزیز! یقین مانو کہ تم میں سے جو لوگ زکوٰۃ نکالتے ہیں وہ اسلامی احکام کے مطابق نہیں نکالتے اور وہ ان لوگوں کے برابر ہیں جو زکوٰۃ نہیں نکالتے تمہاری زکوٰۃ کی رقمیں برباد جاتی ہیں۔ اسلام نے زکوٰۃ کی رقموں کو اجتماعی طور سے خرچ کرنے کا حکم دیا ہے اور تم انفرادی ہاتھوں سے خرچ کر رہے ہو۔ اسلام کا حکم، صحابہ کا عمل اور تاریخ کے اوراق بتاتے ہیں کہ زکوٰۃ کی رقمیں اجتماعی طور سے خرچ ہونی چاہئیں۔ انفرادی طور سے خرچ کرنے کی بدعت خلفائے راشدین کے بعد سے پڑی۔

تم کو معلوم ہے کہ خلفائے بنوامیہ کے ابتدائی دور میں صحابہ کرام میں یہ سوال پیش ہوا کہ موجودہ خلیفہ بہت ہی فاسق و فاجر ہے زکوٰۃ کی رقمیں کیونکر بیت المال بھیجی جائیں۔ تمام صحابہ نے اس پر اتفاق کر لیا کہ خلیفہ کے فسق و فجور سے زکوٰۃ کی ادائیگی میں کوئی خلل نہیں آتا۔ زکوٰۃ کی رقمیں اسی خلیفہ کو بھیجی جائیں چنانچہ یہی ہوا۔ عباسی دور حکومت میں جب تاتاری کافروں اور مشرکوں نے بغداد پر قبضہ کر لیا اور خلافت کا خاتمہ کر ڈالا اس وقت کے مسلمان اعیان و اکابر نے یہ فیصلہ کیا کہ اگر موجودہ حالات کے ماتحت حکومت نہیں بدلی جا سکتی تو حکومت سے درخواست کی

جائے کہ ہماری زکوٰۃ کی رقمیں وصول اور تقسیم کرنے کے لیے قاضی اور عمال مقرر کردے۔

بعض لوگ یہ عذر لا سکتے ہیں کہ چونکہ ہندوستان میں اسلامی حکومت نہیں ہے اس لیے زکوٰۃ کی اجتماعی تقسیم کا انتظام نہیں ہوسکتا۔ میں کہتا ہوں کہ یہ عذر بالکل لنگ اور بے بنیاد ہے وہ تمہارا کون سا کام ہے جو رکا رہتا ہے۔ اس حالت میں بھی تم اگر اجتماعی تقسیم کا انتظام کر سکتے ہو تو یہ عذر کوئی حیثیت نہیں رکھتا۔ تم فضول، لغو اور غیر اسلامی کاموں کے لیے آئے دن انجمنیں بناتے رہتے ہو کیا ایک اسلامی کام کے لیے ایسی انجمنیں نہیں بنا سکتے جو تمہاری زکوٰتوں کو اسلامی طریقہ پر خرچ کر سکیں۔

برادرانِ عزیز! دراصل بات یہ ہے کہ یہاں اسلام کا نقشہ ہی بدل گیا ہے۔ اسلام اجتماعی زندگی کا ایک مکمل نقشہ پیش کرتا ہے۔ اسلام ایک نقشہ ہے مکمل اور اجتماعی زندگی کا، اور وہ نقشہ بدل چکا ہے۔ جس طرح تم مکان بناتے ہو اس میں مختلف خانے ہوتے ہیں کوئی خانہ سونے کا ہوتا ہے، کوئی باورچی خانہ ہوتا ہے، کوئی سامان رکھنے کا خانہ ہوتا ہے۔ ایک انسان اپنے کاموں کے لیے اگر ایک ہی خانہ متعین کرے اور دوسری ضرورتوں کے لیے اس کا کوئی خانہ نہ ہو تو بتاؤ وہ گھر کا صحیح لطف اٹھا سکتا ہے؟ ہرگز نہیں۔ اسی طرح جب تک تم اسلام کے تمام خانوں کو سامنے نہیں رکھو گے اس کے فیوض و برکات سے لطف نہیں اٹھا سکتے۔

دراصل مسلمانوں نے اسلامی احکام کو چھوڑ دیا ہے، البتہ ان میں نمائشی اور بے روح کی سرگرمیاں باقی رہ گئی ہیں۔ ایک زکوٰۃ ہی کے حکم کو دیکھو اگر مسلمان اس پر عامل ہوتے تو آج ان کی یہ حالت نہ ہوتی، زکوٰۃ اسلام کا اتنا جامع اور اکمل اصول ہے کہ دنیا کا کوئی قانون اس کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔ اسلام نے زکوٰۃ کا حکم اس لیے دیا ہے کہ اس سے غرباء، مساکین اور محتاجوں کی امداد ہوتی رہے۔

اسلام نہیں چاہتا کہ ساری دولت چند لوگوں کے ہاتھوں میں جمع رہے۔ اسلام نے مسلمانوں کی یہ پہچان بتائی ہے کہ ان کی مٹھیاں کھلی رہتی ہیں یعنی وہ خدا کی راہ میں خرچ کرنے والے ہوتے ہیں اور کافروں کی پہچان یہ بتائی ہے کہ ان کی مٹھیاں بند ہوتی ہیں یعنی نیک کاموں پر وہ خرچ نہیں کر سکتے۔ اسلام نہیں چاہتا کہ دولت کسی شخص کی اجارہ داری میں آ جائے یا کوئی شخص اپنے پاس ڈھیر لگائے۔ اسلام ڈھیر کا سخت مخالف ہے۔ اسلام چاہتا ہے کہ دولت تقسیم ہوتی رہے

اس کا یہ اصول زکوۃ اور وراثت میں بالکل مساوی بنیاد پر قائم ہے۔

سوشلزم اور اسلام کے اصول یکساں نہیں

بعض لوگ کہتے ہیں کہ اس بارے میں سوشلزم اور اسلام کے اصول ایک ہی ہیں ایسا کہنے والے نہ صرف یہ کہ غلط کہتے ہیں بلکہ دیانتداری کے خلاف کہتے ہیں۔ سوشلزم چاہتا ہے کہ دولت کی برابر تقسیم ہو۔ اگر ایک آدمی کے پاس سو روپے ہوں تو سب کے پاس سو سو روپے ہونے چاہئیں لیکن اسلام یہ نہیں کہتا۔ اسلام صرف یہ کہتا ہے کہ ہر شخص کے پاس روپے ہوں۔ اسلام حق مساوات تسلیم کرتا ہے لیکن مقدار مساوات تسلیم نہیں کرتا۔

اسلام کا نقطہ نظر یہ ہے کہ جب ایک آدمی پیدا ہو تو اس کی زندگی سوسائٹی پر فرض ہو گئی۔ سوسائٹی کا فرض ہے کہ اسے زندہ رہنے دے۔ اسلام نے اقتصادی مساوات تسلیم نہیں کی ہے۔ بے شبہ اسلام میں اونچ نیچ کوئی طبقہ نہیں ہے لیکن اسلام نے غرباء اور امراء کے طبقات تسلیم کیے ہیں۔ قرآن حکیم میں خداوند کریم نے صاف صاف بیان کر دیا ہے کہ ہم نے بعضوں کو بعض پر فضیلت دی ہے۔ سوشلزم جس قسم کی مساوات پیش کرتا ہے وہ بالکل غیر فطری ہے۔ دنیا کا وجود ہی کشاکش پر قائم ہے پھر غیر فطری مساوات کس طرح قائم ہو سکتی ہے۔ میں کہتا ہوں کہ آج دنیا میں سوشلزم اور اشتراکیت کے اصول پھیلائے جا رہے ہیں اور دنیا ایک اصول کی تلاش میں سرگرداں ہے۔ اگر آج ساری دنیا اسلامی اصول اختیار کر لے تو سوشلزم اور اشتراکیت کی قطعی ضرورت باقی نہیں رہتی صرف اسلامی اصول ہی دنیا کی پیاس اور تشنگی کو دور کر سکتا ہے۔

زکوۃ کی ادائیگی کا اجتماعی بندوبست

برادران عزیز! میں تم سے پھر کہتا ہوں کہ تم میں سے جو لوگ زکوۃ نکالتے ہیں ان کی رقمیں برباد جاتی ہیں۔ میں تمہارے سامنے اس منبر پر پوری ذمہ داری کے ساتھ کہتا ہوں کہ زکوۃ کی جو رقمیں اس طرح خرچ کی جاتی ہیں غلط ہے۔ میں جانتا ہوں کہ شرعی ذمہ داری کی کیا اہمیت ہے اور اس اہمیت کو پیش نظر رکھتے ہوئے تم سے بار بار کہتا ہوں کہ زکوۃ کی رقموں کو

اجتماعی طور سے خرچ کرو۔

تم نہیں جانتے کہ اجتماعی طور پر خرچ کرنے میں اسلامی احکام کی بجا آوری کے علاوہ کیا فوائد ہیں۔ کاش میں اس کے فوائد سمجھانے کے لیے اپنا دل چیر کر تمہارے سامنے رکھ دوں اور تم اس کی رگوں کو پڑھ سکو۔ میں بالکل یقین کے ساتھ کہتا ہوں کہ اگر مسلمان اسلام کے اور اصولوں کی پابندی نہ کریں اور صرف زکوۃ ہی کے اصول پر پابند رہیں جب بھی ان کی حالت بہت جلد بدل سکتی ہے۔ اگر تم نے زکوۃ کی رقموں کو اجتماعی طور سے خرچ کرنے کا فیصلہ کر لیا تو یقیناً ۲۴ گھنٹہ کے اندر تمہاری حالت کیا سے کیا ہو سکتی ہے۔

میں نہیں کہتا کہ تم جن فقیروں، جن ملاؤں، جن پیروں اور جن لوگوں کو دیتے ہو نہ دو۔ میں صرف یہ کہتا ہوں کہ اجتماعی ہاتھوں سے وہ ان ہی لوگوں کو دو جنہیں تم دیتے ہو لیکن خدارا انفرادی ہاتھوں سے نہ دو، اجتماعی ہاتھوں سے دو، اگر تم ان ہی لوگوں کو اجتماعی ہاتھوں سے دے سکتے ہو تو تمہیں کیوں ضد ہو گئی ہے کہ انفرادی ہاتھوں سے دے کر اسلامی احکام کے خلاف کام کرتے ہو۔

میں کم سے کم کلکتہ کے مسلمانوں کو مشورہ دوں گا کہ وہ کوئی ایسی جماعت بنائیں جو ان کی زکوۃ کا صحیح مصرف کر سکے اور اس میں ہر طبقہ اور ہر جماعت کے نمائندے شریک ہوں یا ہر طبقہ میں اس قسم کی جماعت بنائی جائے جو اس طبقہ کی زکوۃ کی رقمیں اسلام کی بنائی ہوئی حدود کے اندر خرچ کر سکے۔ اگر تم چاہتے ہو کہ تمہاری رقمیں ان لوگوں پر خرچ کی جائیں جنہیں تم دینا چاہتے ہو تو یہ کر سکتے ہو کہ اپنی جمعیت کو ان اشخاص کے ناموں کی اطلاع کر دو۔

بہر حال کلکتہ کے مسلمانوں کو میرا مشورہ ہے کہ زکوۃ کی رقمیں اجتماعی طور سے خرچ کرنے کے لیے کوئی ایک نمائندہ جماعت یا متعدد نمائندہ جماعتیں بنائیں اور کلکتہ میں اس کی پہلی مثال قائم کریں۔ انشاء اللہ العزیز یہاں کی دیکھا دیکھی اور شہروں میں بھی اسی قسم کی جماعتیں بن جائیں گی۔

برادران عزیز! بغیر کسی ارادہ اور بلا کسی مقصد کے میں نے اس مسجد کی نماز و خطبہ کو عارضی سمجھتے ہوئے منظور کر لیا تھا اور اب جبکہ دوسرے محلوں اور نزدیک و دور کے لوگ شریک نماز ہونے لگے ہیں تو خیال ہوا کہ مسائل دین کی جتنی باتیں آپ کے کانوں تک پہنچ جائیں اچھا ہے۔ آپ کو

یاد ہوگا کہ کچھ عرصہ پہلے میں نے نماز کے درست کر لینے اور اس کے ٹھیک طریقہ پر ادا کرنے کی چند باتیں سمجھائی تھیں مگر افسوس کہ اس کا کوئی نتیجہ میں آج بھی نہیں دیکھ رہا۔ حالانکہ یہ اولین رکنِ دین تھا اور اگر صرف اپنی نمازیں درست و استوار کر لی جائیں تو میں اس ممبر پر کھڑے ہو کر اعلان کرتا ہوں کہ دین کی ساری سرفرازیاں اور دنیا کی ساری سربلندیاں حاصل ہو سکتی ہیں مگر افسوس کہ مسلمانوں کے غفلت و جمود نے جہاں ان کی بداعمالیوں کی پاداش میں ان سے ہر قسم کی سربلندیاں اور سرفرازیاں چھین لیں وہاں ان کے دلوں کی انگیٹھیاں بھی اس درجہ سرد ہو گئی ہیں کہ ان میں اب کوئی چنگاری اور کوئی گرمی باقی نہیں رہی۔ دل کا سوز و گداز، اللہ کے حضور جھکنے کا جذبہ، سچی انابت سچا عجز، غرض کہ سب کچھ سرد و نحو ہو چکا ہے۔ کون ہے جو نماز کی صحیح لذت اپنی نمازوں میں پاتا ہے اور جب نماز کی لذت ہی نماز سے علیحدہ کر لی گئی تو پھر وہ ایک جسم ہے جس میں جان نہیں ایک پھول ہے جس میں خوشبو نہیں ایک ڈھانچہ اور ہیولیٰ ہے جس میں روح نہیں۔ ایسی نماز بیکار صرف قواعد ہوئی اور صرف ٹکر مارنا بے نتیجہ، بے فائدہ، بے اثر۔

اگر مسلمان صحیح طور پر نماز ادا کرتے ہیں اور ان کی نمازیں نماز میں شمار ہوتی ہیں تو پھر بتاؤ کہ نماز کی وہ قرآنی برکات جن کا اللہ نے نمازی سے وعدہ کیا ہے کہاں ہیں کیا اللہ کا وعدہ غلط ہے ہرگز نہیں۔ کیا پھر ہماری نمازیں نماز ہی نہیں ہیں۔ یقیناً اللہ کا قانون اٹل، اس کا وعدہ سچا، ﴿وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰهِ تَبْدِيْلًا﴾ (۶۲:۳۳) ﴿وَلَنْ يُّخْلِفَ اللّٰهُ وَعْدَهٗ﴾ (۴۷:۲۲) اصل یہ ہے کہ دلوں کے چولہے سرد ہو گئے ہیں ان میں کوئی گرمی اب باقی نہ رہی، کوئی چنگاری موجود نہ رہی۔ ورنہ اگر ہماری نمازوں میں سوز و گداز، عجز و الحاح ہوتا تو نماز اور دنیا کے ساتھ دین کی کامرانیاں ہماری ہوتیں۔

نماز تمام مشکلات و مصائب کا علاج ہے

میں بتاؤں گا کہ کیوں صرف نماز کی استواری و درستی سے ہمارا دین اور ہماری دنیا بدل سکتی ہے۔ سنو! تم قرآن کی تمام مکی سورتوں کو پڑھ جاؤ یعنی جن کا زمانۂ نزول، زمانہ قیام مکہ تھا اور رسول کریم ﷺ اپنے وطن ہی میں تشریف فرما تھے اور یہی زمانہ وہ تھا جب دعوت و تبلیغ جن کی پکار مکہ کے کوہساروں سے شروع شروع ٹکرائی تھی بالکل ابتدائے عالم اسلام تھی اس وقت اسلام و داعی اسلام کی غربت و بے

چارگی، بے یاری و بے مددگاری، اپنی انتہا کو پہنچی ہوئی تھی۔ معدودے چند مسلمان تھے جو ہر طرف اور ہر طرح سے اعدائے اسلام کے نرغے میں محصور تھے، پورا مکہ اور نہ صرف مکہ بلکہ پورا جزیرۃ العرب ان کے خون کا پیاسا اور جان کا دشمن تھا۔ یار تھا نہ کوئی مددگار، جس طرف نظر اٹھتی تھی مایوسی سے ٹکراتی ہوئی واپس آتی تھی، جس طرف امان واحسان کی تلاش میں نکلتے تھے مایوسی وحرمانی کے ساتھ واپس آجاتے تھے۔ ایسے عالم کسمپرسی و بیچارگی میں بتاؤ کہ اس وقت ان تمام درد ومصائب کا علاج و نسخہ شفا جو حکیم مطلق نے تجویز کیا تھا کیا تھا؟ ایک اور صرف ایک یعنی اقم الصلوٰۃ نماز قائم کرو، نماز قائم کرو حالانکہ اللہ کی اس کشادہ زمین پر ان کو یہ بھی حق نہ تھا کہ کھلے طور پر نماز ہی کے لیے جگہ ملتی مگر دانائے حال نے بجز اس کے اور کوئی دوسرا نسخہ نہیں تجویز فرمایا کہ اقم الصلوٰۃ نماز قائم کرو، نماز قائم کرو۔ یہ اس لیے کہ نماز ہی تمہارے تمام دکھوں کا علاج، ہر درد کی دوا اور ہر زخم کا مرہم ہے۔

قرآن کی طرف آؤ

وسیع وکشادہ زمین عرب میں سب کے لیے جگہ تھی۔ سب کو چلنے پھرنے کا بلاقید وشرط حق تھا مگر تنگ تھی وہ زمین تو ان چند ہی پرستارانِ حق وتوحید کے لیے۔ وہ کون سی جسمانی وروحانی تکلیف وایذا تھی جو ان کو نہ دی گئی یا ان کے لیے نہ تجویز کی گئی ہو۔ بالآخر جب شدت تکالیف وایذا رسانی حد سے بڑھ گئی اور انسان کے لیے ناقابل برداشت ہوگئی حتیٰ کہ وہ ذات اقدس وگرامی باشارہ مالک یوم الدین ہجرت پر مجبور ہوئی اور وطن سے بے وطنی پر لاچار اس وقت کے کرب والم، درد وغم کے لیے بھی دارو ئے تسکین ومرہم زخم آتا ہے وہ یہی ہے کہ:

اقم الصلوٰۃ نماز قائم کرو، نماز قائم کرو۔

سورہ ق کی آخری آیات پڑھو، تم کو واضح ہو جائے گا کہ اس عالم بے چارگی، غربت اور درد وسکنت کا جو علاج سوچا گیا اور کامیابی کی جو راہ تجویز کی گئی تھی وہ بجز اس کے اور کچھ نہ تھی کہ اقم الصلوٰۃ نماز قائم کرو، مگر کاش کبھی تم قرآن کو پڑھتے بھی۔ تم نے قرآن کو پڑھنے اور سمجھنے کی چیز ہی نہیں سمجھا۔ اس کو تو ریشمی غلافوں اور جزدانوں میں لپیٹ کر طاق میں رکھنے کی چیز سمجھ لیا ہے۔ جو کبھی وقت ضرورت کام میں لائی جاتی ہے۔

بلاشبہ قرآن رکھنے ہی کی چیز ہے مگر غلافوں میں نہیں دل میں جس کو اللہ تعالیٰ توفیق دے۔ وقت نہیں اور خطبے کا وقت قلیل ہوتا ہے ورنہ میں بتاتا کہ کس طرح پھر انہیں معدودے چند مسلمانوں نے نماز، سچی نماز اور صرف سچی نماز کی برکت سے جماعت کی شکل اختیار کی اور پھر کس طرح اس ربانی جماعت نے دنیا کا نقشہ بدل کر رکھ دیا۔

سچی نماز کیسی ہوتی ہے

ایک وہ انقلاب انگیز نمازیں تھیں۔ ایک تمہاری نمازیں ہیں جو رسماً یا دکھاوے کے لیے ادا کی جاتی ہیں۔ ان نمازوں کا ہونا نہ ہونا برابر، ان کا کرنا نہ کرنا ایک۔ بتاؤ تمہاری نمازوں میں کوئی لذت ہے جس سے تمہارے دلوں میں سرور اور تازگی پیدا ہوتی ہو، بتاؤ تمہارے دلوں میں کوئی سوز وگداز ہے، دلوں کے چولہے میں کوئی چنگاری باقی ہے جو تمہاری آنکھوں سے ہنگام نماز ایک قطرہ اشک نکالا کرتی۔ بتاؤ ایسی نمازوں میں کشش ومحبت الٰہی کا کوئی اثر محسوس کرتے ہو۔ اگر نہیں تو پھر تمہاری نمازیں بیکار، تمہارے سجدے باطل۔ تمہاری عبادات اکارت۔ سچی نماز تو وہ نماز ہے جس سے دل میں سوز وگداز، رکوع میں خشوع وخضوع اور سجود میں کیف ولذت حاصل ہو اور تقرب ومعراج الی المحبوب۔

جن کی نمازیں سچی نمازیں تھیں، جنہوں نے اپنی نمازوں میں لذت وچاشنی پائی تھی، جن کے زبان ولب اس جام شیریں سے شاد کام تھے۔ قرآن ان کو ان الفاظ کے ساتھ یاد کرتا ہے:

﴿ تَتَجَافٰی جُنُوبُهُمْ عَنِ الْمَضَاجِعِ ﴾ (۱۶:۳۲)

ان کی پسلیاں نرم ونازک گدیلوں پر سکون وقرار نہیں پاتیں۔ راتوں کو اٹھ کر اپنے اللہ کے حضور میں نمازیں قائم کرتے ہیں۔ اس کی رضا کی آرزوئیں اور اس کے وصل کی التجائیں، ان کی پیشانیاں مصروف سجدہ، ان کی زبانیں تسبیح کناں۔ ان کے قلوب محو لذائذ نماز ہوتے ہیں:

کاش تمہیں بھی ایسی نمازوں کی چاٹ پڑتی اور تم سمجھتے کہ نماز واقعی کیا چیز ہے۔

هذا، احسن الكلام، كلام الله الملك المنان ﴿قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ هُمْ فِيْ صَلَاتِهِمْ خَاشِعُوْنَ ﴾ (۲۳:۱۔۲)

❋ ❋ ❋

اسلامی اور انسانی مساوات کی حقیقت

برادرانِ عزیز! کل صبح کچھ لوگ میرے پاس آئے جو یہاں سے قریب ہی رہتے ہیں۔ انہوں نے ایک بات کہی اور اس بات کے بارے میں شرعی نقطہ نگاہ دریافت کیا۔ میں نے ان کو جواب تو دے دیا اور اس کے بعد وہ لوگ چلے بھی گئے لیکن میں کیا بتاؤں کہ اس وقت میرے قلب کی بے چینی، اضطراب اور اضطرار کا کیا عالم تھا اور رہ رہ کر کون سا درد تھا جو میرے جسم و حواس کو ناکارہ کیے دے رہا تھا۔ موجودہ مسلمانوں کی پست ذہنیت، جھوٹا غرور، بے جا فخر اور اس کے نتائج، یہ ایک ایک کر کے آنکھوں کے سامنے آتے اور مجھے لرزہ براندام کرتے گئے۔

بات کیا تھی؟ کہنے اور سننے میں تو معمولی اور بہت ممکن ہے کہ اس قسم کے واقعات تم روز سنا کرتے ہو اور تمہارے دل پر اس کا کوئی اثر بھی نہ ہوتا ہو مگر بہ اعتبار نتائج یہ بات جتنی اہم ہے اور اس زمین پر ایک مسلمان کے لیے شرمناک، میں نہیں سمجھتا کہ اس سورج کے نیچے اس سے بڑھ کر، کوئی اور بات دردانگیز اور دل فگار ہو۔

لال بیگی شریعت اسلامی کے پابند ہیں

ان لوگوں نے بیان کیا کہ ہم لوگ ان لوگوں میں ہیں جن کو "لال بیگی" کہتے ہیں۔ ہندوستان کے ہر گوشہ میں ہماری برادری ہے، صفائی اور گھروں میں کمائی کا کام ہمارا پیشہ اور شکم پُری و تن پروری کا ذریعہ ہے۔ ہم لوگ مذہباً مسلمان ہیں، ہم میں کوئی مر جائے تو اسلامی طریق پر غسل میت اور تجہیز و تکفین کرتے ہیں۔ پیدائش کے موقعہ پر تمام وہ رسوم ادا کرتے ہیں جو مسلمانوں کے یہاں برتی جاتی ہیں۔ نماز روزہ کے بھی معتقد ہیں اگرچہ پابند کم ہیں۔ خدا رسول کے بارے میں ہمارے وہی عقائد ہیں جو عامۃ المسلمین کے لیکن اس کے باوجود مسلمان ہم سے

چھوت برتتے ہیں، ذلیل سمجھتے ہیں اور حقارت سے پیش آتے ہیں۔ چنانچہ ہماری برادری کا ایک آدمی محلہ کے ہوٹل میں چائے پینے گیا۔ دکاندار کو ہماری ذات معلوم نہ تھی۔ وہ چائے پی کر اور قیمت ادا کر کے چلا آیا لیکن بعض لوگ جو ہماری ذات سے واقف تھے، انہوں نے دکاندار سے سخت باز پرس کی اور بائیکاٹ کی دھمکی دی۔ وہ سہم گیا اور بھاگا ہوا ہم لوگوں کے سردار کے پاس آیا۔ اس آدمی کو بلوا کر اپنے ساتھ لے گیا۔ ہمارے چند آدمی اس کے ساتھ بھی ہو لیے۔ چنانچہ وہاں سب کے سامنے ہم کو برا بھلا کہا گیا جس پر ہم لوگوں نے بہ خوشامد معافی مانگی، تب کہیں جان بچی۔ دکاندار نے وہ برتن جس میں ہمارے آدمی نے چائے پی تھی سب کے سامنے توڑ دیا اور اس کی قیمت ہم سے وصول کی گئی اس کے بعد سارے برتن دھوئے گئے اور ہوٹل کی دھلائی کی گئی اور دکاندار نے آئندہ محتاط رہنے کی قسم کھا کر جان بچائی۔

چھوت چھات کے متعلق اسلام کا نقطہ نگاہ

اس قصہ کو بیان کر کے ان لوگوں نے مجمع سے اس معاملہ میں شرعی احکام دریافت کیے اور پوچھا کہ کیا واقعی شرع شریف کی نگاہ میں بھی ہم اسی سلوک کے مستحق ہیں۔

آہ! میں کیا کہوں کہ اس سوال نے میرے دل کے کتنے ٹکڑے کیے اور روح کو کیسا صدمہ عظیم پہنچایا۔ شرم، ندامت، انفعال وانقباض سے گردن جھک گئی اور میں پسینہ پسینہ ہو گیا۔

مسلمانو! فخر وغرور، فضیلت و برتری کے اسی جھوٹے بت کو اسلام نے مٹایا تھا اور داعی اسلام نے مساواتِ حقیقی کے بے برگ و بار درخت کو سرسبز کیا تھا کیا تم پھر اسی جہالت کے دور میں واپس پہنچ گئے ہو؟ جس طرح تم نے اور بہت سے جتھے اور برادری اور گروہ بنائے، فضیلت و برتری کے مفروضہ مراتب قائم کیے حالانکہ خدا نے کوئی پروانہ نہیں اتارا کہ فلاں گروہ معزز اور فلاں برادری ذلیل ہے بلکہ اس نے فرمایا تو یہ فرمایا کہ:

﴿ يَاأَيُّهَا النَّاسُ إِنَّا خَلَقْنَٰكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّأُنْثٰى وَجَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّقَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوْا ﴾ (۱۳:۴۹)

لوگو! ہم نے تم کو بلا استثناء، مرد وعورت کے اختلاط سے پیدا کیا اور صرف پہچان کے لیے قبیلوں میں تقسیم کر دیا ہے تاکہ قوموں کی تقسیم میں کوئی دقت نہ پیدا ہو۔

یعنی بلحاظ پیدائش سب ایک، کسی کو کسی پر کوئی تفوق، کوئی فضیلت، کوئی برتری نہیں ہے۔ البتہ قومیت ومملکت کی تقسیم کی خاطر اس پہچان کے لیے کہ یہ شخص عرب کا ہے، یہ افریقہ کا، یہ یورپ کا، یہ ہندوستان کا، قبائل میں بانٹ دیا ہے اور بس لیکن اس فضیلت واعزاز کے لیے جس کا غلط گمان آج کہلانے والے مسلمانوں نے اپنے لیے خاص کر لیا ہے اس نے معیار ٹھہرایا تو یہ ٹھہرایا کہ:

﴿ إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِندَ اللَّهِ أَتْقَاكُمْ ﴾ (۴۹:۱۳)

اللہ کے نزدیک زیادہ معزز وہ ہے جو سب سے زیادہ پرہیزگار ومتقی ہے۔

بتاؤ تم نے اپنی فضیلت وتفوق کا جواز کہاں سے نکالا۔ گروہ بندی، جتھہ بندی، برادری کی تقسیم اور پھر اس تقسیم میں کم معزز، زیادہ معزز کے مفروضہ مدارج جو تم نے بنائے ہیں ایک بھی صحیح نہیں ہے۔ اسلام نے اس طرح کی کوئی بھی تقسیم تسلیم نہیں کی۔ جس طرح ہندوستان میں ہندوؤں نے اپنی چار ذاتیں اور ان کا اعزاز واکرام فرض کر لیا تھا اور چھوت چھات کی رسم جاری کی تھی مصر کے آثار ونقوش بھی بتاتے ہیں کہ ان میں بھی جذبہ تفوق وانانیت تھا، یا پھر قبل از اسلام عرب میں کسی نہ کسی شکل وصورت میں چھوت چھات اور فخر وغرور کارفرما تھا لیکن بعد بعثت خیر الناس وخیر الرسل صلی اللہ علیہ وسلم یہ چیز آہستہ آہستہ معدوم ہوتی گئی اور زیور اسلام سے آراستہ ہونے کے بعد ایک مسلمان کے نزدیک تو اس بے جا غرور کا کوئی شائبہ بھی باقی نہیں رہ جاتا۔

شرافت وعزت کا معیار دل کی پاکیزگی ہے

انسان بڑا ہے یا چھوٹا؟ اللہ کے نزدیک جس کا دل پاک ہے وہی بڑا ہے۔ برادری، گروہ یا جتھہ کا کہیں سوال ہی نہیں آتا۔ جسم! جس کے تم پیچھے پڑے ہو اور جس کی بابت تمہارا خیال ہے کہ اگر وہ صاف ہے اور دوسرے کپڑے بھی صاف ہیں اور ڈھکا ہوا بھی اچھے درزی کے ہاتھ کے سلے ہوئے کپڑے سے ہے تو وہی اشراف ومعزز وبرتر انسان ہیں مگر یاد رکھو کہ یہ طہارت اور صفائی بھی

طہارت اور صفائی نہیں بلکہ سچی طہارت اور سچی صفائی دل کی طہارت اور دل کی صفائی ہے اور برتری و فوقیت بھی اس آدمی کو ہے جس کے سینہ میں اس کا دل طاہر و صاف ہو۔

سن لو کہ زبانی عقائد سے نہیں، مسلمان عمل سے مسلمان ہوتا ہے اور پھر جب زبانی اقرار و عقائد کے اعتبار سے بھی وہ لوگ تمہاری طرح ہیں اور اپنے آپ کو مسلمان کہتے ہیں تو پھر ان کے ساتھ تمہارے یہ وحشیانہ سلوک کیوں؟ ان میں بھی بہت ایسے ہیں جو صوم وصلوٰۃ کے پابند ہیں۔ کتنے ایسے ہیں جو پابند نہیں اور تم خود بتاؤ تمہارا کیا حال ہے؟ کیا خود تمہارا بھی یہی حال نہیں ہے کہ بعض نماز وروزہ کے پابند ہیں مگر اکثر..... ہائے اکثر غافل وتارک صلوٰۃ اور عجب نہیں کہ تمہارے غرور والے اور مدعیان فضیلت وتفوق قیامت کے دن منہ دیکھتے رہیں اور وہ اعزاز وتکریم میں تم سے بڑھ جائیں۔

سرورِ عالم ﷺ کا اسوہ حسنہ

چنانچہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا اسوہ، ارشاد وتعلیم ہمارے سامنے ہے۔ ایک سے زائد نمونے ہمارے پیش نظر ہیں کہ اقوام غیر اور نامسلمانوں کے ساتھ آپ کا میل جول، اکل وشرب کس قدر بڑھا ہوا تھا۔ بے تکلفی کی فراوانی نے کبھی مسلم وغیر مسلم کی تمیز تک نہ ہونے دی۔ دیکھنے والے یہ ہی سمجھتے رہے کہ ایک اپنے خاندان کے کسی فرد یا سچے اور پکے مسلمان سے محوکلام ومصروف گفتگو ہیں۔ یہودیوں، عیسائیوں اور مشرکوں کے ساتھ بے تکلف شریک طعام ہو جایا کرتے تھے اور کبھی اس قسم کا پرہیز نہ فرمایا۔ چنانچہ دو واقعے اس معاملہ میں نہایت اہم اور تواریخ کے صفحات میں محفوظ ہیں۔

ایک مرتبہ عیسائیوں کا ایک ڈیپوٹیشن آپ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ نے ان کو مسجد میں ٹھہرایا۔ کون سی مسجد، وہ مسجد کہ اللہ کے نزدیک کعبہ اقدس کے بعد قسم ہے خدا کی کہ کوئی محبوب ومحترم جگہ نہیں ہے۔ مسجد نبویہ میں ٹھہرایا۔ بخاری کی روایت ہے کہ جب اتوار کا دن آیا تو ان لوگوں کو نماز کے لیے تشویش ہوئی جب واقعہ کا علم اس وجود اقدس کو ہوا جو کسی کے فکر وغم کو برداشت نہیں کر سکتا تھا تو اس نے ان عیسائیوں کو تسلی دی اور فرمایا کہ تم کچھ تردد وملال نہ کرو۔ یہ مسجد عبادت ہی کے لیے ہے۔ تم شوق سے اپنے طریقہ پر نماز ادا کرو۔ مجھے قطعاً کوئی اعتراض

نہیں اور نہ کوئی مسلمان کچھ تعارض کرے گا۔ چنانچہ وہ خوش ہو گئے اور پورب کی طرف منہ کر کے اپنے طریقہ پر اپنی نماز ادا کی۔

معاند کفار کے ساتھ حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کا سلوک

دوسرا اہم واقعہ بنو ثقیف قبیلہ طائف کی آمد کا واقعہ ہے۔ صحاح ستہ میں ہے کہ ان کے ساتھ رحمت للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کا سلوکِ نیک تاریخ عالم کے اہم ترین واقعات اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے رؤف و رحیم اور رحمت للعالمین ہونے کا ناقابل انکار ثبوت ہے۔ پہلا واقعہ تو اس اعتبار سے، کہ اس وقت عیسائیوں کی دشمنی اتنی سخت و شدید نہ تھی اور وہ اہل کتاب بھی تھے اتنا اہم نہیں ہے جس قدر کہ واقعہ ثانی اپنی نوعیت و واقعات و حقائق کی بناء پر اہم ہے۔ اس لیے کہ یہ گروہ یعنی طائف کا قبیلہ بنو ثقیف عقیدتاً مشرک کامل تھا پھر اس گروہ کی اسلام دشمنی کا دوسرا درجہ فرسا واقعہ بھی ہے کہ جب سرورِ دو عالم، محبوب پروردگار مکہ میں دینی تبلیغ کا خاطر خواہ اثر نہ پا کر اس خیال سے طائف تشریف لے گئے کہ مشرکین مکہ کی عداوت میں ذاتیات کو بھی دخل ہے۔ قرب و جوار و دیہات میں شاید تعلیم مفید ہو تو اسی قبیلہ کے سرداروں نے شریروں کی ایک جماعت پیچھے لگا دی جس جگہ حضور تشریف لے جاتے، یہ لوگ شور کرتے اور پتھر مارتے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ وجودِ گرامی جس سے زیادہ محترم، جس سے زیادہ اشرف، جس سے زیادہ اکرم، ابتدائے تخلیق سے آج تک اس کرہ خاک پر پیدا نہیں ہوا اور نہ ہو گا، لہولہان ہو گیا۔ پیشانی اقدس سے خون کے فوارے چھوٹنے لگے اور خون بہہ بہہ کر پیروں تک آیا۔ نعلین مبارک پائے مقدس کے ساتھ وصل ہو کر رہ گئی۔ الغرض جب وہ لوگ آئے تو لوگوں نے کہا کہ انہیں ہم لوگ اپنے اپنے گھروں میں ٹھہرا لیں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے نامنظور فرمایا اور حکم دیا کہ سب کو مسجد میں ٹھہرایا جائے۔ تم تو یہ سن کر چونک پڑو گے کہ مسجد میں اور مشرک کو؟ ہاں ہاں انہیں مشرکوں اور ایسے خونریز و مفسد مشرکوں کے بارے میں حکم فرمایا کہ مسجد میں ٹھہرائے جائیں۔ جن کی اسلام و مسلم دشمنی کے زخم اس وقت تک بھی ہرے تھے، مندمل نہ ہوئے تھے اور مسجد میں ٹھہرانے کی علت بھی بتا دی کہ یہ لوگ اسلام کی عبادت دیکھیں گے۔ عبادت کی سادگی اور اس کے انہماک و استغراق کو دیکھیں گے۔ اللہ کا کلام سنیں گے۔ سچائی

ان کے کانوں میں پڑے گی شاید راہ نیک کی توفیق ملے چنانچہ ہوا بھی یہی۔ اس وفد میں جتنے لوگ آئے تھے کلام اللہ کی سماعت، سچائی کی باتوں، اخلاق و عادات سے مسلمانوں کے ایسے گرویدہ ہوئے کہ سب کے سب مسلمان ہو گئے۔ غور کرو مزاج کی نوعیت کیا تھی۔ رنگ کیا تھا مگر خلق عظیم، کردار، عمل، اخلاص نے کیا بنا دیا۔ آئے تھے دشمن ہو کر، گئے تو اس طرح کہ سب کی گردنیں جھکی ہوئی تھیں اور ان میں طوق محبت پڑا ہوا تھا، اس ذات بابرکات کا جس کے ساتھ وہ، وہ سلوک کر چکے تھے جو تم نے ابھی سنا۔

چھوت چھات حرامِ مطلق ہے

یہ ہیں وہ کردار جنہوں نے اغیار کو اپنا بنایا تھا نہ کہ تم، کہ اپنوں کو ٹھکراتے ہو اور ان کو بیگانہ بناتے اور مشرکوں اور کافروں کے حوالے کیے دیتے ہو۔ خوب سن لو کہ اسلام میں چھوت چھات نہیں ہے۔ بالکل نہیں ہے، قطعاً نہیں ہے، یہ ہندو اور دیگر اقوام کی لعنتیں ہیں جن پر تم عامل ہوتے جاتے ہو۔ چھوت چھات ناجائز، اسلام میں حرام بلکہ حرامِ مطلق ہے۔ کسی چیز سے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو بچنے کے لیے اپنی تعلیم میں اتنی تاکید نہیں فرمائی جتنی کہ چھوت چھات کے گندے خیال سے دور رہنے کی یاد رکھو جسم کوئی بھی ہو ناپاک نہیں ہوتا۔ جسم سب کا پاک ہے۔ ہاں ناپاک ہوتا ہے دل۔ اسی واسطے رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے مجمعوں، مجمعوں میں لوگوں کو مخاطب فرماتے ہوئے دل کی طرف اشارہ کر کے فرمایا کہ:

﴿التقوی ھٰھنا   التقوی ھٰھنا﴾

تقویٰ یہاں ہوتا ہے۔ تقویٰ کا مقام یہ ہے۔ پاکی، وہ پاکی ہے جو اس جگہ کی ہو۔

مسیحیت کی کامیابی کی بنیاد چھوت چھات پر ہے۔ عیسائیوں کی تبلیغی عظیم الشان کامیابی کی وجہ بھی یہی چھوت چھات ہے۔ آج کل کے مسلمانوں کی اسی پست ذہنیت نے ان پر ترقی کے میدان کھول دیے ہیں۔ وہ مسلمان جو تمہاری ہی غفلتِ تبلیغ سے پستی میں رہ گئے اور اسلامی تعلیم وہاں نہ پہنچ سکی اور آج تمہارے خیال میں اچھوت مسلمان ہیں، جب انہوں نے دیکھا کہ مسلمان

بات پوچھنا تو درکنار ہمیں مسلمان بھی نہیں سمجھتے تو وہ عیسائی ہو گئے۔ چنانچہ پنجاب میں آج بھی وہ بستیاں کی بستیاں جو باپ دادا سے مسلمان تھیں عیسائی ہو چکی ہیں اور اسی طرح یوپی میں بھی بستیاں کی بستیاں تم جا کر دیکھو تو آج عیسائی ہیں مگر کل وہ مسلمان تھیں۔ ورنہ عیسائی باعتبار اپنی رعونت وغرور کے ایک منت کے لیے بھی اتنی عظیم الشان ترقی نہیں کر سکتے تھے۔ آج بھی مساوات کا جو عالم اور برکات اور تعلیم مسلمانوں میں ہے ان میں نہیں۔ چنانچہ ان کے یورپین گرجے الگ، نیم یورپین گرجے علیحدہ اور ہندوستانی عیسائیوں کے گرجے جداگانہ مگر یہ دیسی عیسائیوں کی ان تھک کوششوں کا نتیجہ ہے کہ مسلمانوں کی خصوصیتوں پر عامل ہو کر تمہاری غفلت اور تمہارے غلط دعوائے فضیلت وبرتری سے فائدہ اٹھاتے ہوئے انہوں نے کامیابی اور عظیم الشان کامیابی حاصل کی۔

تم جانتے ہو کہ بنگال میں مسلمانوں کی تعداد اکثریت میں ہے۔ کیوں ایسا ہے؟ ابتداء میں بعض سچے داعی اور مخلص مسلمانوں کا قدم آیا اور انہوں نے تبلیغی دورے کر کر کے، طرح طرح کی تکلیفیں، کوچ اور مقام کی اذیتیں، خورد ونوش کے مصائب، آب وہوا کے حملے برداشت کر کر کے، اللہ کا کام سمجھ کر، اللہ رسول کی خوشنودی کے لیے اس کے نام وکلمہ کو ان تک پہنچایا۔ آج گو وہ عقائد کے لحاظ سے تبدیل شدہ سہی، اعمال میں کاہل وغافل سہی لیکن مسلمان ہیں اللہ اور اس کے رسول کا کلمہ پڑھتے ہیں۔ بہر حال بنیاد قائم ہے، عمارت جب چاہے کھڑی کی جا سکتی ہے اسی طرح یہاں سے قریب ہی کتنی ابنائے وطن کی جماعتیں تھیں، جو دل سے مسلمان ہونے کے لیے تیار تھیں مگر برا ہو اس چھوت چھات کا کہ وہاں کے مقامی مدعیان فضیلت وتفوق نے انہیں مایوس کر دیا اور وہ عیسائی ہو گئیں۔

مشرقی بنگال کا ایک واقعہ

یہی جہالت اور چھوت تھی کہ ایک مشرقی بنگال کی اس برادری کا ایک طالب علم جس کو تم نے اپنی گروہ بندیوں میں سب سے نچلی جماعت وگروہ فرض کر رکھا ہے کلکتہ آیا اور مدرسہ عالیہ میں داخل ہوا۔ اپنی تعلیم ختم کر کے جب وطن پہنچا تو ظاہری کیفیت اور ٹھاٹھ دیکھ کر کسی مسجد میں لوگوں نے نماز کے وقت اس کو امامت کے لیے کھڑا کر دیا۔ بعض لوگ بعد کو آئے اور یہ دیکھ کر کہ یہ تو

فلاں برادری کا شخص بے حالت نماز ہی میں اس کو مارنا شروع کر دیا؟ کیوں؟ اس لیے کہ فلاں برادری کا ہو کر امامت کے لیے کیوں کھڑا ہو گیا۔ بالآخر وہ بھاگ کر تھانہ پہنچا اور اپنی جان بچائی۔ وہاں سے کسی نہ کسی طرح میرے پاس کلکتہ آیا۔ حالات سن کر میں نے چند آدمیوں کو اس بستی میں بھیجا اور تاکید کی کہ ایک مجلس طعام ترتیب دے کر سب کو ایک ہی دستر خوان پر کھانا کھلایا جائے اور میرا حکم پہنچا دیا جائے چنانچہ ایسا کیا گیا۔ گو بعض جاہلوں نے انکار کیا مگر ایک کثیر تعداد اس پر تیار ہو گئی اور ایک حد تک ان کے خیالات کی اصلاح ہو گئی۔

میرا خیال تھا کہ شاید اب یہ چیز کم ہو گئی ہے مگر اس واقعہ نے بتلایا کہ نہیں اب بھی ایسے جہلاً کی کمی نہیں۔

افسوس کہ لوگ اب بھی اثر نہیں لیتے۔ آنکھیں نہیں کھولتے اور ان کو اپنی زبوں حالی کا احساس نہیں ہوتا۔

جو تم میں یہاں موجود ہے وہ سن رہا ہے اور جو موجود نہیں ہے تمہارا فرض ہے کہ اس تک میری آواز پہنچا دو کہ وہ مسلمان مجرم ہو گا جو کسی مسلمان سے چھوت چھات کرے گا۔ وہ مسلمان مجرم ہو گا جو کسی کے ساتھ، دنیا کی بنائی ہوئی حلقہ بندی میں سے کسی حلقہ میں خواہ وہ کتنا ہی کم درجہ کا حلقہ ہو مگر اللہ کے ساتھ اپنا رشتہ رکھتا ہو اس سے چھوت برتے گا یا اس کو اپنے سے کم یا حقیر ذلیل سمجھے گا۔ وہ مسلمان مجرم ہو گا جو کسی مسلمان سے پیشہ یا کام کی بنا پر اس سے پرہیز کرے گا یا اس کو بہ نظر ذلت دیکھے گا۔

***

مسلمانوں کا انحطاط

حقیقی اسباب اور صحیح علاج

یہ توقع کرنا عبث ہے کہ میں زیادہ دیر تک یا بھاری آواز سے تقریر جاری رکھ سکوں گا البتہ اپنے خیالات کمزور و نحیف آواز میں لیکن اس آلہ (لاؤڈ سپیکر) کی مساعدت سے آپ تک پہنچانے کی کوشش کروں گا۔ البتہ یہ کام کہ آواز آپ کے کانوں سے دل تک پہنچے اور اس میں کچھ احساس و گرمی پیدا کرے، اسے میں اللہ کے سپرد کرتا ہوں۔

تبلیغ کے دو اہم حصے

آپ لوگ گزشتہ سال بھی تبلیغ واشاعتِ اسلام کے جذبات لیے ہوئے اس شامیانے کے نیچے جمع ہوئے تھے۔ اس وقت بھی میں نے اس طرف توجہ دلائی تھی کہ تبلیغ کے دو اہم حصے ہیں۔ ایک داخلی، دوسرا خارجی۔

خارجی یہ کہ غیر مسلمین میں تبلیغ کی جائے مثلاً ہندو وغیرہ وغیرہ۔

داخلی یہ کہ خود مسلمانوں کو مسلمان بنایا جائے اور ان میں تبلیغ واشاعت دین کی جائے۔ کتنے افسوس کا مقام ہے کہ علماء کی ایک جماعت اور ان کا ایک حصہ غالب اب تک غافل و خاموش ہے اور تبلیغ کے جو فرائض ہیں ان کا سب سے زیادہ اہم و ضروری کام کہ خود مسلمانوں میں تبلیغ کر کے ان کو راسخ و مضبوط مسلمان بنایا جاتا وہ جیوں کا تیوں ہے۔

مسلمانوں کی شناخت کی علامت

ایک اہم چیز اس کے ماسوا جو میں پیش کرنا چاہتا ہوں اور جو ابھی مکان سے آتے ہوئے، جب کہ میں یہ سوچ رہا تھا کہ مجھے کس عنوان پر تقریر کرنا ہے میرے ذہن میں آئی اور جس کا تعلق مسلمانوں کی انفرادی واجتماعی زندگی سے ہے مختصراً بیان کروں گا۔

اس سلسلہ میں پہلے بنیادی بات سمجھ لو جب تک اس کو پیش نظر نہ رکھو گے حقیقت بے نقاب نہ ہوگی۔ مطالعہ قرآن حکیم سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ اسلام نے جہاں مسلمانوں کے مختلف گوشہ ہائے زندگی پر روشنی ڈالی ہے ان کے اعتقاد، ان کے اعمال اور ان کی شناخت کے معیار بتائے ہیں اور ان کی انفرادی واجتماعی کیفیت کا بھی نقشہ کھینچ کر ان کی پہچان جتلا دی ہے جس طرح قوم وملک کے افراد و جماعات نے اپنی اپنی وضع قطع، اعمال وافعال، اطوار اور چال مقرر کر لیے ہیں اور تم دیکھتے ہی یہ رائے قائم کر لیتے ہو کہ یہ شخص فلاں ملک اور مذہب کا انسان ہے یا کسی جماعت کو اس کے مقررہ لباس و وضع میں دیکھ کر تم فوراً یہ سمجھ لیتے ہو کہ یہ تو فلاں جماعت ہے۔ ٹھیک اسی طرح اللہ نے حافظہ بگوشان اسلام کی انفرادی واجتماعی زندگی کے لیے بھی ایسے اعمال و قوانین مقرر کر دیئے ہیں کہ اگر وہ خصائص و شناخت اُن کے جس گروہ میں یا جس فرد میں پائی جائے اسلامی بولی میں وہ مسلمان فرد یا جماعت ہے۔ اگر قرآن کی معمولی تفحص وجستجو کی جائے تو صاف آشکار ہو جاتا ہے کہ قرآن نے مسلمانوں کی انفرادی واجتماعی شناخت کے لیے ایک یا ایک سے زائد باتیں ایسی بیان کی ہیں کہ وہ علامات واعمال جس گروہ میں پائی جائیں وہ مسلمان ہے، نہ پائی جائیں تو مسلمان نہیں اور وہ علامات و اعمال کیا ہیں؟ دو عملوں کا ذکر کیا ہے۔ قرآن کے نزدیک مسلمانوں کی اجتماعی زندگی کی یہی دو شناختیں بنیادی ہیں۔

قیامِ صلوٰۃ وادائے زکوٰۃ

جماعتی زندگی کے خصائص، جماعتی زندگی کے فضائل، جماعتی زندگی کے فرائض، تم کو قرآن کے ہر صفحہ میں ملیں گے اور ان میں یہ دونوں زبردست واہم ترین اسلامی اجتماعی زندگی کی علامات

بھی ہیں یعنی

﴿ وَ اَقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ وَ اٰتُوا الزَّکٰوۃَ ﴾ (۴۳:۲)

قیام صلوٰۃ واداے زکوٰۃ، قیام نماز وایتاے زکوٰۃ۔ نماز وانفاق فی سبیل اللہ۔ چنانچہ قرآن میں تم دیکھو گے تو یہ دونوں حکم تم کو ہر جگہ ملے جلے ملیں گے۔ ان پڑھ سے ان پڑھ مسلمان جس کو دو چار سورتیں بھی نماز کے لیے یاد ہیں، وہ بھی اس سے بے خبر نہیں ہے اور یہ چیز اولین شرط و بنیادِ اسلام قرار دی گئی اور کسی مرتد و فاسق گروہ کو بھی مستثنٰی نہ کیا گیا چنانچہ سورہ توبہ میں فرمایا۔

﴿ وَ اِنْ تَابُوْا وَ اَقَامُوا الصَّلٰوۃَ وَ اٰتَوُا الزَّکٰوۃَ فَخَلُّوْا سَبِیْلَهُمْ ﴾ (۵:۹)

اگر یہ سرکش و باغی قبائلِ قریش اپنی گزشتہ شرارتوں پر اظہار ندامت کریں۔ نماز کی پابندی کا اقرار موثق اور اداے زکوٰۃ کا عہد مستحکم کریں تو ان پر سے پابندی اٹھالی جائے۔۔

پس قرآن نے جو اہمیت اس کو دی ایک سو چودہ سورتوں میں کسی دوسرے عمل کو اتنی اہمیت نہ دی گئی۔ چنانچہ ہر جگہ اور ہر صفحہ قرآن میں قیام صلوٰۃ واداے زکوٰۃ کا تذکرہ ظاہر کرتا ہے کہ مسلمانوں کی جماعتی زندگی کی شناخت کا یہ نہایت اہم معیار ہے اور اس کا ترک وفقدان غیر اسلامی زندگی کا ثبوت اور جہاں تک اس کے ترک کے مضر اثرات کا تعلق ہے ترمذی کی اس حدیث میں نتائج کا ذکر صراحۃً موجود ہے یعنی

﴿ لا یرون کفراً الا ترك الصلوۃ ﴾

یعنی بنیادی عقائد کے باوجود ترکِ نماز مخرج عن الملت ہے اور کوئی جماعت اگر بحیثیت جماعت کے نماز کو ترک کر دے تو ایک لحہ کے لیے بھی وہ جماعت مسلمان نہیں رہتی اور اس مسئلہ میں ہرگز دو رایوں کی گنجائش نہیں۔

معیار اسلام پر مسلمانوں کا امتحان

اب غور کرنا چاہیے کہ کتاب وسنت کی مقرر کردہ شناخت کے ماتحت موجودہ مسلمانوں کا کیا حال ہے؟ آج مسلمانوں کی عملی زندگی کا کیا حال ہے اور منشاے قرآن کے مطابق ان دونوں اسلامی شناخت کے معیار پر مسلمان، مسلمان ہیں یا نہیں؟ ظاہر ہے یہی دونوں بنیادی اعمال تم

سے مفقود ہو گئے ہیں اور اجتماعی شکل میں ترک کر دیئے گئے ہیں اور اگر جا بجا کہیں یہ چیز نظر آتی بھی ہے تو اسلامی نہیں غیر اسلامی طریق پر۔

تم کو یہ سن کر تعجب ہو گا کہ اسلامی طریق کیا اور غیر اسلامی طریق کیا؟ سنو! ہر کام کرنے کا ایک ڈھنگ، ایک طریقہ، ایک اصول اور ایک ولولہ ہوتا ہے جس کے ماتحت وہ کسی قانون، کسی ضابطہ کے مطابق انجام دیا جاتا ہے۔ یہ نہیں کہ اپنی خوشی سے جب چاہا پٹک مارا۔ کرتے تو ہو مگر ناقص طریقے پر! ڈھنگ نہ رہا، ولولہ جاتا رہا۔

نماز ہی کو لے لو۔ نماز کے لیے ''اقامت'' کا لفظ آیا ہے۔ نماز قائم کرو۔ ہر جنس کی طرح نماز کی بھی ظاہری شکل ہے۔ باطنی روح ہے۔ ان سب کو بجا طور پر ادا کرنا اس کا قائم کرنا ہے جس کو افسوس کہ تم نے، تمہارے بے درد ہاتھوں نے برباد کر دیا ہے۔ اگر تمہاری آج کل جیسی نماز سے نماز کے قیام کا منشا پورا ہوتا تو پھر اس کی سعادتیں کیوں اپنا جلوہ نہیں دکھاتیں۔ سن لو کہ عبادت تو اس وقت سے تھی جب سے دنیا کے دریا اور پہاڑ ہیں۔ عبادت تھی مگر قیام نہ تھا تم کو قیام صلوٰۃ کا حکم اور اس کی تاکید فرمائی گئی ہے اور قیام صلوٰۃ باعتبار اپنے معانی کے ادا نہیں ہوتا جب تک قیام جماعت والتزام جماعت بھی نہ ہو۔

افسوس، تم سے التزامِ جماعت کا ولولہ جو بام علو وارتقاء کا پہلا زینہ تھا مفقود ہو گیا ہے۔ تم اگر چہ نماز ادا کرتے ہو مگر اس کو اتنی اہمیت نہیں دیتے کہ نماز جماعت کے ساتھ ادا کرنا چاہیے۔ صرف جمعہ کا التزام تو کسی نہ کسی طرح اور کسی نہ کسی صورت میں باقی ہے لیکن جماعت کے قیام والتزام کی اہمیت تم نے گنوا دی اور یہ نہ سمجھا کہ ترکِ جماعت بھی معصیت ہے۔ گویا کلیتہً مسئلہ کی فرضیت کھو دی۔ التزامِ جماعت کی اہمیت برباد کر دی۔ نتیجہ کیا نکلا؟ یہ کہ یا تو کرتے ہی نہیں یا جو کرتے بھی ہیں تو وہ بے حقیقت۔ حقیقت تو ان طریقوں پر موقوف ہے جو قیام صلوٰۃ کے ذریعہ سچی برکت وسعادت کی شکل وصورت میں حاصل کی جائے اور جو ناممکن ہے بغیر قیام والتزامِ جماعت کے۔

زکوٰۃ کے دو معنی

زکوٰۃ کے عام وخاص دو معنی ہیں۔

ایک شخص اپنے نفس ذات کے لیے اپنے سرمایہ میں سے جو کچھ دیتا ہے۔ وہ انفاق فی سبیل اللہ ہے۔ یہ اگرچہ زکوٰۃ نہیں مگر زکوٰۃ کے عام معنی میں آجاتا ہے۔

خاص معنی یہ کہ وہ اپنے اصول وقواعد کی تعریف اور قانون جاریہ کے ساتھ ایک خاص ٹیکس ہے جو اسلام نے تمام پیروانِ اسلام پر عائد کردیا ہے۔

اس اعتبار سے کہ مسلمان اس کے ساتھ بحیثیت ایک رکن دین ہونے کے کیا سلوک روا رکھتے ہیں۔ کتنے ہیں جو اس پر عملدرآمد کرتے ہیں۔ کتنے ہیں کہ انہوں نے اس اہم ترین بنیادی مسئلہ دین کو اپنی بے اعتنائیوں، اپنی غفلتوں اور اپنی جہالت سے پس پشت ڈال دیا ہے اور جب ہم دیکھتے ہیں کہ مسلمان کہاں پہنچ گئے ہیں تو یہ حقیقت اس چمکتے ہوئے آفتاب کی طرح بے نقاب ہو جاتی ہے اور ہم صاف یقین کر لیتے ہیں کہ یا تو مسلمان اس اہم فریضہ دین کو ادا ہی نہیں کرتے یا اگر کرتے ہیں تو اسلامی نہیں غیر اسلامی ڈھنگ پر۔

منطقی طریقہ کا جہاں تک تعلق ہے کوئی شخص جو انفرادی طور پر زکوٰۃ نکالتا ہے ہو سکتا ہے کہ وہ سمجھتا ہو کہ ہماری زکوٰۃ ادا ہو گئی اور ممکن ہے کہ ادا ہو جاتی ہو، مگر ایک لمحہ تامل کیے بغیر میں علی الاعلان کہوں گا کہ ادائے زکوٰۃ کی روح فنا ہو جاتی ہے اور جو لم اس حکم میں تھی چونکہ وہ مفقود ہے لہٰذا اس کا ادا کرنا نہ کرنا برابر اور تمہارا عملِ ادائے زکوٰۃ اکارت اور تیرہ سو برس میں جہاں تک اسلامی تعلیم، احادیث واحکام نبوی عمل صحابہ کا تعلق ہے تم نے نظام والتزام دونوں کی خلاف ورزی کی اور اسلامی زندگی کا جہاں تک تعلق تھا اس کی شان کا جہاں تک نتیجہ تھا، تم نے باقی نہ رکھا۔ اس لیے آج ہر قسم کی پستی وزبوں حالی کا تم شکار ہو گئے۔

ادائے زکوٰۃ کا غیر اسلامی طریق

روٹی پکانے کے لیے جب تم آگ سلگاتے ہو، تو تم دیکھتے ہو کہ آگ آنے سے پہلے اپنی گرمی بھیج دیتی ہے۔ اس کو تم یقین کر لوگے اور کرتے ہو گویا مادی اشیاء کے حقائق کا تو تمہیں یقین ہے لیکن اعمال اسلامی میں بھی اس کے خاصہ رکھنے کا یقین، اس میں کسی گر کے پوشیدہ ہونے کا یقین، اس میں کسی مصلحت وراز کے پوشیدہ ہونے کا اعتبار تمہیں نہیں ہے۔

اچھا اگر تم اپنے طریق مستعملہ پر ادائے زکوٰۃ کو فرض کی سبکدوشی یقین کرتے ہو تو بتاؤ کہ زکوٰۃ جس میں حکمت الٰہی کا خاصہ بھی مضمر تھا اور عمل کے بعد اس کی برکتوں کا آنا ویسے ہی یقینی ہے جیسے پھولوں کے بعد پھل کا آنا لابدی تو بتاؤ کہ پھر وہ برکتیں، وہ سعادتیں، وہ اعجاز، وہ انوار، وہ ارتقاء، وہ نشوونما، وہ سرسبزی جس کا قرآن میں وعدہ ہے کہاں ہے؟

اصل یہ ہے کہ تمہارا طریقہ ادائے زکوٰۃ، اگرچہ انفرادی ہے مگر غیر اسلامی، روح سے خالی جسم کے مانند، بلاشبہ تمہارا دل برف کی ایک سل ہو کر رہ گیا ہے۔ حرارت وتپش اسلامی سے خالی ہو چکا ہے۔ اس لیے تمہارا ہر عمل وکارِ خیر، غیر مستحسن اور غیر منفعت بخش ہوتا ہے۔

کس ملک وحکومت کا یہ رواج ہے اور کون سی حکومت بحیثیت ایک حکومت کے اس کو تسلیم کرے گی کہ تم جو اپنے ہاتھوں سے ہر سال ماہ رمضان میں اپنے ہی کھاتوں کو کھول کر ان رقومات کو جن پر تم نے پہلے ہی نشان لگا رکھا ہے جوڑ لو، خود ہی زکوٰۃ کی رقم مقرر کر لو۔ پھر پیسوں، ریزگاریوں کی پڑیا اور چھوٹے بڑے لفافے بنا لو۔ پھر خود ہی اپنے ہاتھ سے بھکاریوں کی ایک بھیڑ جو تمہاری دکان کے سامنے جمع ہو جائے ان میں تقسیم کر کے اطمینان کا سانس لو اور یہ فرض کر لو کہ اب ایک سال کے لیے ہم اس مصیبت سے نجات پا گئے اور اگر حکومت کے کارندے اور عاملین زکوٰۃ تمہارے پاس آئیں تو انہیں بتا دو کہ ہم نے خود ہی حساب کر لیا اور خود ہی زکوٰۃ تقسیم کر دی اور وہ تمہارا یہ جواب سن کر مطمئن ہو کر چلا جائے۔ کیا موجودہ حکومت بھی اپنے ٹیکس کے بارے میں تمہارے ساتھ ایسی رعایت رکھتی ہے؟ اگر نہیں تو اللہ کے احکام کے ساتھ تمہارا یہ تمسخر کیوں جائز مان لیا جائے۔

سب سے پہلی اور بنیادی گمراہی

سب سے پہلی بنیادی غلطی۔ نہیں، غلطی کا لفظ کافی نہیں ہے مفہوم تشنۂ تکمیل رہتا ہے۔ گمراہی، سب سے پہلی بنیادی گمراہی جو اس اہم ترین رکن دین کے بارے میں پھیل گئی وہ یہ ہے کہ وہ لِلّٰہ اور حقیقت نظر انداز کر دی گئی جو اسلام نے قرار دی تھی۔ قرآن میں جب مواقع زکوٰۃ پر تم غور کرو گے، تم کو معلوم ہوگا کہ نفاق کے ضد اور مد مقابل انفاق فی سبیل اللہ کا ذکر آیا ہے۔ ذکر ہی نہیں تاکید۔ نفاق کیا؟ اللہ کے راستہ میں خرچ کرنے سے مٹھیوں کو بند کر لینا۔ انفاق کیا؟ یہ کہ اللہ کے راستہ میں جائز، موزوں اور ضروری جگہوں میں اللہ کی دی ہوئی نعمت کو خرچ اور تقسیم کرنا۔ اس خاص شرط وطریقہ کے ماتحت اس تقسیم اور خرچہ کو گویا زکوٰۃ کے لفظ سے قرآن حکیم نے تعبیر کیا ہے لیکن جو خالص اسلامی مدات میں خرچ کی جائے۔

حکومت کے ٹیکس تو حکومت کے عام اغراض کے لیے ہیں یہ زکوٰۃ کے معنی میں نہیں آتے اور چونکہ ان کا خرچ اور تقسیم کرنا بھی غیر اسلامی مقاصد اور طریقہ پر ہے۔ لہٰذا وہ رقم اس میں محسوب نہیں ہوسکتی جیسا کہ اکثر مداہین حکومت کہتے ہوئے پائے جاتے ہیں۔

۹ھ کے بعد جب سے سورہ توبہ نازل ہوئی ہے سقوط بغداد تک متعدد اسلامی حکومتیں قائم ہوئیں لیکن کسی اسلامی جماعت اور گروہ نے ایسا نہیں کیا جیسا تم کرتے ہو بلکہ لوگوں کے دل میں ایسا گمان اور خیال بھی نہ تھا۔ تم نہیں ہو اپنا انکم ٹیکس خود ہی نکالنے والے۔ یہ اسلامی حکومت کا کام ہے اور یہ حکم اس وقت تک موجود و قائم ہے جب تک صحاح ستہ و احادیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو غرق نہ کردو اور انہیں بھی جنہوں نے کتاب وسنت کی بو بھی سونگھی ہے۔

غرضیکہ اس زمانہ میں زکوٰۃ کا طریقہ انفرادی نہ تھا جماعتی تھا اور عمال حکومت کا کام تھا کہ وہ زکوٰۃ وصول کریں۔ چنانچہ بنوامیہ کے زمانہ میں جب فسق وفجور جڑ پکڑ رہا تھا مالکان زکوٰۃ نے امام وقت سے مسئلہ پوچھا کہ کیا اب بھی انہیں زکوٰۃ دیں تو انہوں نے حکم دیا کہ ہاں انہیں کو دو۔ جب تک وہ نماز پڑھتے ہیں، تم کو نظم والتزام برقرار رکھنا چاہیے۔ ایسا ہی بنوعباس کے زمانہ میں بھی یہ

معاملہ پیش ہوا۔ جن کا ظلم و جبر مشہور تھا اور جن پر خیانت کا الزام بھی تھا۔ بنو امیہ کے عہد میں اعتراض یہ تھا کہ وہ لوگ زکوٰۃ کی رقم کپڑوں اور عطر میں خرچ کرتے ہیں، عبداللہ ابن عمرؓ نے فرمایا وان خواہ ایسا ہی ہو۔ تمہیں نظام کسی طرح برباد نہ کرنا چاہیے۔ عمال بدلے جا سکتے ہیں۔ حکومت خراب ہے تو اس سے اچھی حکومت بنائی جا سکتی ہے لیکن اگر اسلامی نظام بگڑ گیا تو کارخانہ ہی درہم برہم ہو جائے گا۔ امام حنبل کا جو مرتبہ باعتبار ان کے زہد و تقدس اور تفقہ فی الدین کے ہے کسی پر پوشیدہ نہیں۔ راہ حق میں جو استقامت انہوں نے دکھائی وہ ہر ایک کا کام نہ تھا مگر اپنے وصیت نامہ میں انہوں نے بھی نظام زکوٰۃ کی پابندی کی سخت تاکید فرمائی ہے۔

نظام زکوٰۃ میں کیڑا کب لگا

میں بتاؤں اس نظام میں کیڑا کب لگا۔ فتنہ تاتار کے بعد لگا جب تاتاریوں نے حکومت اسلامی کی بنیادیں کھود کر پھینک دیں اور کہیں کسی اسلامی تاجدار کو سر چھپانے کی بھی جگہ نہ رہی۔ ہر طرف انتشار اور پراگندگی پھیل گئی تو اس وقت تسلط کے بعد یہ مسئلہ نئے سرے سے اٹھا۔ یہی زمانہ وہ زمانہ تھا، جب فقہ کی تدوین ہوئی، نئے مسائل اور نئے قوانین اسلام بنائے گئے اور انفرادی طریق ادائے زکوٰۃ کو جائز کر لیا گیا حالانکہ حکومت چھن گئی تھی تو جماعت اس کی قائم مقام تھی، چاہیے یہ تھا کہ پھر بھی یہ کام جماعت ہی کے سپرد رہتا تاکہ روحِ رکن اور غایت و غرض مسئلہ اس وقت بھی نہ فوت ہوتی مگر ایسا نہ کیا گیا۔

اگر حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام، احکامِ حق ہیں تو اے انفرادی طور پر زکوٰۃ ادا کر کے خوشیاں منانے والو! یاد رکھو کہ قیامت کے دن تم جوابدہی اور مواخذہ سے ہرگز نہ بچ سکو گے کہ تم نے حکیم قابل غور کی خلاف ورزی کی ہے۔

نظام زکوٰۃ قائم کرو

کیا ہندوستان میں ایک آدمی بھی ایسا تمہاری نظر میں باقی نہ رہا جس کی امارت پر تم اتفاق کر لو نہیں، دس ہی سہی ہر صوبہ میں دس سہی، یہ بھی نہ سہی تو جس طرح تم اپنی علیحدہ علیحدہ نو آباد اور انجمنیں اپنی اغراض کے لیے بنا لیا کرتے ہو، ٹھیک اسی طرح انجمن ہی بنا کر سہی اور اگر جتھہ

داری اور فرقہ بندی تمہاری گھٹیوں میں پڑی ہے اور تم اسی پر مطمئن ہو تو وہی زکوٰۃ دو۔ آخر تم کو اسلام سے اتنی چڑ کیوں ہوگئی ہے کہ صاف وصریح حکم کی موجودگی کے باوجود تم غیر اسلامی طریقہ پر مٹے جارہے ہو۔ ریچھے جارہے ہو۔ یاد رکھو کہ موجودہ اسلام میں اسی انفرادیت ہی کی بدولت گھن لگ گیا ہے۔ میں اپنی ذمہ داری کو محسوس کرتا ہوا اس اسٹیج پر سے اعلان کرتا ہوں اور علمائے کرام کی جماعت کو خاص طور پر مخاطب کرتا ہوں کہ اگر اس انفرادیت کو جو آج مسلمانوں کے ہر عمل واعتقاد میں سرایت کر گئی ہے، جلد تبدیل کر کے اجتماعیت کی شکل میں نہ بدل دیا گیا تو امکان غالب اور قرینہ واثق ہے کہ مسلمان اپنے خصائص اسلامی سے یکسر محروم ہو جائیں گے۔

سن لو کہ یورپ وامریکہ کی سوسائٹیوں کی بنیادیں بھی کھوکھلی ہو چکی ہیں۔ عنقریب یہ دیواریں ٹوٹ کر گر پڑنے والی ہیں اور بلا استثنائے احدے سب کے سب اس نظام سے تنگ آ گئے ہیں اور آفتاب زمین کے گرد گردش کرنے نہ پائے گا کہ وہ سب کے سب اسلامی نظام والتزام پر عامل نظر آئیں گے جس میں سچی اجتماعیت، سچا نظام، سچا التزام، تسکین بخش اور اطمینان دہ مسرت کے خزائن پوشیدہ ہیں۔

انفرادیت کی بجائے اجتماعیت پیدا کرو

اس لیے اگر تم بھی چاہتے ہو کہ آنے والی ہلاکتوں سے بچ جاؤ تو اپنے ہر کام اور عمل میں دینی ہو خواہ دنیاوی، انفرادیت کو چھوڑ کر اجتماعیت اختیار کرو۔

میں مسلمانانِ کلکتہ کو مخاطب کر کے کہتا ہوں کہ خطبہ عید کے بعد جہاں میری آواز پہنچی ہے ہر گوشہ ملک سے بے انتہا خطوط آرہے ہیں اور سب نے لبیک کہی ہے۔ عنقریب اس قسم کا کوئی اقدام ہونے والا ہے لیکن میں چاہتا ہوں کہ اسبقیت اس مقابلہ میں بھی تمہارے ہی سر رہے اور اسبقیت واولیت کی فضیلت جو کچھ ہے سب کو معلوم ہے۔

﴿ الَّذِيْنَ يَسْتَمِعُوْنَ الْقَوْلَ فَيَتَّبِعُوْنَ اَحْسَنَهٗ ﴾ (۳۹:۱۸)

***

ایمان کی حقیقت اور اس کی شناخت

ایمان کی تلاش

خطبہ مسنونہ کے بعد:

برادران عزیز! دنیا میں ہر بات کی کوئی نہ کوئی شناخت ہوتی ہے تم نے کبھی غور کیا کہ ایمان کی شناخت کیا ہے، تم کہو گے بھلا یہ بھی کوئی پوچھنے کی بات ہے۔ ہاں پوچھنے کی بات تو نہ تھی، مگر بدقسمتی سے پوچھنے کی بات ہو گئی ہے۔

میں پوچھتا ہوں، تم نے کبھی غور کیا۔ ایمان کی سچی شناخت کیا ہے؟ اب میں نے سچی کا وصف بڑھا دیا تا کہ تم مطلب سے زیادہ قریب ہو جاؤ۔ تم نے ایمان کی بہت سی شناختیں بنا رکھی ہیں تم کبھی یہ سمجھتے ہو، یہ انسان کی وضع قطع کے اندر ہے، تسبیح کے دانوں اور ہمیشہ متحرک رہنے والے لبوں میں ہے۔ تم نے بارہا اسے مسجدوں کے گوشوں میں ہی تلاش کیا ہے اور اکثر ایسا ہوا ہے کہ مدرسوں اور خانقاہوں میں جستجو کے لیے نکلے ہو۔ تم میں بہت سے لوگ ہیں جنہوں نے محض گھڑے ہوئے اختلافات پیدا کر لیے ہیں اور یقین کرنے لگے ہیں کہ انہی میں ایمان کی شناخت بھی پوشیدہ ہے۔ جس آدمی کا ان جزئیات عقائد میں ایسا خیال ہو وہ مومن ہے، جس کا نہ ہو وہ مومن نہیں۔

تم نے ایک ہی اسلام کے بہت سے ٹکڑے کر کے الگ الگ فرقے بھی بنا لیے ہیں اور اکثروں کے نزدیک ایمان کی شناخت انہی میں منحصر ہو گئی ہے۔ جو اس طرح کی فرقہ بندی میں ہے وہ مومن ہے، جو نہیں ہے مومن نہیں۔ اور یہ آخری شناخت تمہارے مبلغ علم کی سب سے بڑی چھلانگ ہے۔ جو آدمی اتنا کود سکے وہ تمہارے نزدیک میدان علم و دین کا سب سے بڑا شہسوار ہے۔

ایمان کی شناخت

لیکن تمہیں معلوم ہونا چاہیے کہ یہ ساری شناختیں تمہاری گھڑی ہوئی ہیں اللہ اور اس کے رسول کی ٹھہرائی ہوئی نہیں ہیں۔ بتلاؤ کہ وہ ایک ہی شناخت کون سی ہے جو خود اللہ نے بتلائی ہو، اس کے رسول نے اس کی توضیح کی ہو، اس کے سچے پیروؤں نے اپنے عمل میں اس کا نمونہ دکھلا دیا ہو۔ وہ ایک ہی کسوٹی کون سی ہے جو اس چمکتی ہوئی چیز کے کسنے کے لیے بتا دی گئی تھی؟ کیونکہ ہر چمکتی ہوئی چیز سونا نہیں ہو سکتی اور جس پر صحابہ کرام اپنا اپنا ایمان کس کر دیکھ لیا کرتے تھے یہ سونا کھرا ہے یا کھوٹا ہے؟

حبِ ایمانی

یہ شناخت حب ایمانی کی شناخت تھی یعنی اللہ اور اس کے رسول کی محبت کی۔ مومن کون ہے؟ وہ جو اپنے سارے دل اور ساری روح سے...... اللہ اور اس کے رسول کو محبوب رکھتا ہو اور دنیا کی کوئی محبت اس پر غالب نہ آ سکتی ہو...... غیر مومن کون ہے؟ جو اس محبت سے محروم ہو:

﴿ وَ مِنَ النَّاسِ مَنْ يَّتَّخِذُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَنْدَادًا يُّحِبُّوْنَهُمْ كَحُبِّ اللّٰهِ وَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ ﴾ (۱۸:۳۹)

کتنے ہی آدمی ہیں جو خدا کے سوا دوسروں کو اس کا شریک اور ہمتا ٹھہرا لیتے ہیں اور ان سے ایسی ایسی محبت کرنے لگتے ہیں جیسی محبت اللہ سے ہونی چاہیے لیکن جو مومن ہیں ان کی شناخت یہ ہوتی ہے کہ وہ ﴿اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ﴾ ہوتے ہیں۔

یعنی اللہ سے بہت ہی محبت کرنے والے، اس کی محبت میں بڑے سخت، بڑے پختہ، ہر طرح کی لچک اور نرمی و خامی سے مبرا، کوئی محبت ان کی محبت الٰہی سے ٹکرا نہیں سکتی ہے۔ کوئی رشتہ اس رشتہ محبت پر غالب نہیں آ سکتا۔ وہ سب کو چاہتے ہیں مگر اس کی چاہت سے زیادہ نہیں۔ وہ بہت سے علائق رکھتے ہیں لیکن اس علاقہ کے مقابلہ میں نہیں، غور کرو، اس آیت میں دونوں جگہ ایمانی معاملہ کو محبت سے تعبیر کیا ہے، جو لوگ اللہ کے سوا دوسری ہستیوں کو اس قابلِ غور شریک بنا لیتے

ہیں ان کے لیے بھی کہا ﴿ يُحِبُّونَهُمْ كَحُبِّ اللّٰهِ ﴾ ۔ان ہستیوں کومحبوب رکھتے ہیں اور پھر مومنوں کی نسبت بھی یہی کہا ﴿ اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ ﴾ وہ تو اللہ کو سب سے زیادہ محبوب رکھنے والے ہیں ۔اس سے معلوم ہوا کہ ایمان کا معاملہ اصلاً محبت کے سوا اور کچھ نہیں ہے۔ جو دوسروں کو خدا کا شریک ٹھہراتے ہیں وہ بھی ان سے محبت کرنے والے ہیں اور جو صرف اللہ کے پرستار ہیں وہ بھی اس کے سوا کچھ نہیں کہ اللہ کی محبت میں سرتا پا غرق ہو جانے والے ہیں۔

حب ایمانی کی نص قطعی

اور یہ حقیقت اور زیادہ واضح ہو جاتی ہے جب تم سورہ توبہ کی مشہور آیت کی تلاوت کرو:

﴿ قُلْ اِنْ كَانَ اٰبَآؤُكُمْ وَ اَبْنَآؤُكُمْ وَ اِخْوَانُكُمْ وَ اَزْوَاجُكُمْ وَ عَشِيْرَتُكُمْ وَ اَمْوَالُ ٰنِ اقْتَرَفْتُمُوْهَا وَ تِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا وَ مَسٰكِنُ تَرْضَوْنَهَآ اَحَبَّ اِلَيْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ وَ جِهَادٍ فِيْ سَبِيْلِهٖ فَتَرَبَّصُوْا حَتّٰى يَاْتِيَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ وَ اللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ ﴾ (۹:۲۴)

پیغمبر! مسلمانوں سے) کہہ دو''اگر ایسا ہے کہ تمہارے باپ،تمہارے بیٹے،تمہارے بھائی،تمہاری بیویاں،تمہاری برادری،تمہارا مال جو تم نے کمایا ہے،تمہاری تجارت جس کے مندا پڑ جانے سے ڈرتے ہو،تمہارے رہنے کے مکانات جو تمہیں اس قدر پسند ہیں، یہ ساری چیزیں تمہیں اللہ سے،اس کے رسول سے اور اللہ کی راہ میں جہاد کرنے سے زیادہ پیاری ہیں تو (کلمۂ حق تمہارا احتیاج نہیں) انتظار کرو، یہاں تک کہ جو کچھ خدا کو کرنا ہے وہ تمہارے سامنے لے آئے۔اور اللہ (کا مقررہ قانون ہے کہ وہ) فاسقوں پر (کامیابی و سعادت کی) راہ نہیں کھولتا۔

یہ آیت حب ایمانی کے باب میں نص قطعی ہے اور پوری تفصیل کے ساتھ بتلا رہی ہے کہ ایمان کی شناخت حب ایمانی کے سوا اور کوئی چیز ہو ہی نہیں سکتی۔ دنیا میں ایک انسانی زندگی کے لیے خواہ انفرادی ہو یا اجتماعی، چاہت اور الفت اور رشتہ علائق کی جتنی باتیں ہو سکتی ہیں وہ سب ان

آٹھ قسموں میں آ گئی ہیں جو یہاں بیان کر دی گئی ہیں اور جس ترتیب سے بیان کی گئی ہیں وہ انسانی علائق کی وابستگیوں کی قدرتی ترتیب ہے۔

سب سے پہلے ماں باپ کی محبت کی زنجیر ڈھلتی ہے اور ہمارے پاؤں میں پڑتی ہے۔ پھر اولاد ہوتی ہے اور اولاد کی محبت بھی ایک بوجھل زنجیر ڈال دیتی ہے۔ پھر بھائیوں کی محبت ہے۔ بیوی کے لیے شوہر کی اور شوہر کے لیے بیوی کی محبت ہے۔ خاندان اور برادری کی رشتہ داریاں ہیں۔ مال و دولت کا عشق ہے۔ کاروبار اور تجارت کی گہرائیاں ہیں۔ مکان و جائیداد کی دلفریبیاں ہیں۔ فرمایا اگر ان محبتوں میں سے کوئی چیز بھی اللہ اور اس کے رسول سے زیادہ محبوب ہو جاتی ہے۔ اس طرح کہ دونوں محبتوں میں اگر مقابلہ ہو جائے تو قدم اللہ اور اس کے رسول کی طرف نہ بڑھیں۔ کسی دوسرے محبوب کی طرف بڑھیں تو ایمان ناقص ہو گیا اس کی شناخت باقی نہ رہی۔ کسوٹی پر پورے نہ اترے اور تم ان لوگوں کی طرح ہو گئے جن کی شناخت یہ بتلائی گئی ہے کہ ﴿يُحِبُّونَهُمْ كَحُبِّ اللَّهِ﴾ ان میں نہ ہوئے جن کی شناخت یہ بتلائی گئی تھی ﴿وَالَّذِينَ آمَنُوا أَشَدُّ حُبًّا لِلَّهِ﴾ (۲:۱۶۵)

اگر محبتِ ایمان نہیں تو ایمان بھی نہیں

اس بارے میں آیت و احادیث بے شمار ہیں اور خطبہ کا وقت محدود، بخاری و مسلم کی ایک مشہور حدیث کبھی نہ کبھی ضرور تمہارے کانوں میں پڑی ہوگی لیکن تمہیں ان معاملات پر غور کرنے کی مہلت کب ملتی ہے؟ حضرت انسؓ سے مروی ہے کہ فرمایا ﴿لا یومن احدکم حتی اکون احب الیہ من والدہ و ولدہ والناس اجمعین﴾ تم میں سے کوئی آدمی مومن نہیں ہو سکتا جب تک کہ ایسا نہ ہو جائے کہ وہ اپنے دل کو ٹٹولے تو میری محبت تمام محبوب انسانوں سے زیادہ پائے، اپنے باپ سے، اپنی اولاد سے اور دنیا کے تمام انسانوں سے۔ اس حدیث میں ایمان کی صاف صاف نفی کر دی ہے اور اگرچہ لوگوں نے اس نفی کو نفی کمال پر محمول کیا ہے، لیکن بھولنا نہیں چاہیے کہ صاف صاف نفی کر دی ہے کہ کوئی شخص مومن نہیں ہو سکتا، جب تک کہ اس کے دل و دماغ

کی ایسی حالت نہ ہو جائے کہ دنیا میں انسانی محبت کے جتنے رشتے ہو سکتے ہیں ان سب سے زیادہ اللہ کے رسول کا رشتہ ہو جائے۔ سارے رشتے اس رشتے کے آگے ہیچ ہو جائیں، ساری محبتیں اس محبت کے سامنے سرد پڑ جائیں، ساری زنجیریں اس زنجیرِ عشق کی موجودگی میں بے اثر ہو جائیں۔

حضرت عمرؓ کا مقامِ محبت

امام بخاریؒ عبداللہ بن ہشام سے ایک اور روایت بھی لائے ہیں۔ وہ کہتے ہیں ہم ایک دن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمرؓ کا ہاتھ اپنے دست اقدس میں لے رکھا تھا۔ حضرت عمرؓ کہہ رہے تھے۔ ﴿یارسول اللہ لانت احب الی من کل شئی الا نفسی التی بین جنبی﴾ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقیناً آپ کی ذات اقدس مجھے دنیا کی ہر چیز سے زیادہ پیاری ہے مگر یہ نہیں ہو سکتا کہ اپنی جان سے بھی زیادہ کیونکہ اپنے نفس کی چاہت طبیعت انسانی کی جبلت ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ﴿لا والذی نفسی بیدہ حتی اکون احب الیک من نفسک﴾ نہیں اتنا کافی نہیں۔ اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے ایمان کا معاملہ پورا ہونے والا نہیں جب تک کہ میں تجھے خود تیرے نفس سے زیادہ محبوب نہ ہو جاؤں۔

جب حضرت عمرؓ نے یہ سنا تو انشراح صدر ہو گیا۔ فوراً پکار اٹھے۔ ﴿الآن واللہ لانت احب الیّ من نفسی﴾ ہاں ہاں خدا کی قسم اب آپ صلی اللہ علیہ وسلم مجھے اپنے نفس سے بھی زیادہ محبوب ہو گئے۔ تب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ﴿الآن یا عمر﴾ اب اے عمرؓ ایمان کا معاملہ پورا ہو گیا۔

ایمان کی شناخت اور ایمان کی آزمائش

بس یہی ایک شناخت تھی جو اللہ اور اس کے رسول نے بتلائی تھی، اس کے سوا ایمان کی سچی شناخت اور کوئی نہیں ہو سکتی۔ صحابہ کرامؓ میں سے ایک ایک فرد کی زندگی کا مطالعہ کرو، تم دیکھو گے کہ اس شناخت کے سوا اور کوئی شناخت وہ نہیں جانتے تھے۔ ان کی پوری ''عقائد نسفی'' اور ''فقہ اکبر''

اسی ایک کلمہ عقیدت میں سمٹ آئی تھی۔ان کا ایمان مجمل تھا تو یہ تھا۔ایمان مفصل تھا تو یہ تھا۔ان کی اشعریت اور ماتریدیت اس کے سوا کچھ نہ تھی کہ کسی کی محبت میں ساری محبتیں محو کر دیجیے اور کسی ایک کی راہ میں دنیا جہان کی ساری چیزیں قربان کر دیجیے۔

انہیں نہ تو تمہارے ان گھڑے ہوئے اختلافی عقائد کی خبر تھی، نہ تمہاری بنائی ہوئی فرقہ بندیوں کی......ان کا سارا عقیدہ یہ تھا کہ اللہ اور اللہ کے رسول کی راہ میں جان و مال قربان کرنا ہے اور ان کا سارا مذہب، مشرب، طریقت اور فرقہ بندی اس کے سوا کچھ نہ تھی کہ محبت کیجیے اور اس میں سب کچھ بھول جایئے اصحاب اشارات کے اقوال اس مقام میں بے حد مؤثر واقع ہوئے ہیں۔

سید الطائفہ بغدادی سے کسی نے پوچھا۔ایمان کی تعریف کیا ہے فرمایا: ﴿اما عندكم فالاعتقاد بالله ورسوله واما عندنا فالنفاني في الله ورسوله﴾ تمہارے نزدیک تو تعریف یہ ہے کہ اللہ اور اللہ کے رسول پر اعتقاد رکھا جائے اور ہمارے مذہب میں یہ ہے کہ اللہ اور اس کے رسول کی محبت میں فنا ہو جایئے۔

عہد حاضر کا ہر شخص اپنے ایمان کو پرکھ کر دیکھ لے

اب تم میں سے جس کسی کو ایمان کی فکر ہو یہ کسوٹی لے لے اور اس پر کس کر دیکھ لے کہ واقعی سچا ایمان موجود ہے یا نہیں۔ میں تمہیں یہ بھی بتلا دوں کہ کسنے اور پرکھنے کا طریقہ کیا ہے کیونکہ سونا پسند ہر آدمی کرتا ہے لیکن کسنا اور پرکھنا صرف سنار ہی جانتا ہے۔تم اپنے دل کو ٹٹولو اور ایک ایک بات سامنے لا کر دیکھو، کیا جواب ملتا ہے؟ اگر اللہ اور اس کے رسول کی سچائی کی راہ میں تمہیں نفس کی خواہشیں روک رہی ہیں اور ان کی روک دل پر چل رہی ہے تو یقین کر لو کہ ایمان کا نشیمن ابھی تمہارے اندر نہیں بسا ہے۔اگر اللہ اور اس کے رسول کے احکام کی راہ میں تمہیں خرچ کرنا دوبھر ہو رہا ہے اور دل چاہتا ہے کہ کسی طرح اس خرچ سے بچے رہیں تو یقین کر لو کہ تمہارے اندر مال پرستی کی علامت تو پوری طرح پیدا ہو گئی ہے لیکن اس بات کی علامت پیدا نہ ہو سکی جس کا نام ایمان ہے۔

اگر اللہ کے رسول کا ایک صاف صاف فرمان تمہارے سامنے آ جاتا ہے اور تم اس پر عمل کرنے سے جھجکتے ہو کہ کسی دوسرے انسان کی خواہ وہ کتنا ہی بڑا اور کتنا ہی مقدس ہو رائے اس کے

خلاف ہے تو گو تم محسوس نہ کرو لیکن تمہیں اللہ کا رسول احب نہیں ہوا، وہ انسان احب ہو گیا، جس کی رائے کی خاطر صاحب وحی وعظمت کا فرمان پیچھے ڈال رہے ہو۔

اگر تم اللہ اور اس کے رسول کا ایک حکم سنتے ہو لیکن وہ تمہارے دل کو نہیں پکڑتا، اس لیے مدتوں کی کوئی عادت، کوئی رسم، کوئی ریت، کوئی سنی ہوئی اور مانی ہوئی بات تم پر چھا گئی ہے اور اسے چھوڑ دینا شاق گزر رہا ہے تو سمجھ لو کہ کسوٹی کا فیصلہ تمہارے خلاف گیا۔ تمہارے پاس ایمان نہیں ہے، ایمان صرف اس دل میں ہے کہ کوئی معاملہ ہو، کوئی موقعہ ہو، کوئی راہ ہو لیکن جب ٹٹول کر دیکھا جائے کہ احب کس کی ذات ہے اور کس کا حکم ہے تو بغیر ایک لمحہ کے تامل کے جواب ملے اللہ اور اس کے رسول کی ذات...... اللہ اور اس کے رسول کا حکم، اللہ اور اس کا رسول اور صرف اللہ اور اس کا رسول۔

❁ ❁ ❁

اجتماعی زندگی کی بنیاد

احتساب نفس، اصلاح خانہ اور منزلی زندگی کی راحت

برادران عزیز!

تم میں سے اکثر اس بات سے بے خبر نہ ہوں گے کہ بہت سے خدا کے بندے ایسے ہیں جو اپنے معاملات میرے سامنے پیش کرتے ہیں اور اخلاص ومحبت کی بناء پر مشورہ کے طالب ہوتے ہیں۔ اس طرح پر بے شمار مختلف اور متضاد قسم کے معاملات اور اسلامیان ہند کی افتاد زندگی کے واقعات جو میرے علم میں آئے وہ بہت کم لوگوں کے سامنے آتے ہوں گے اور اسی علم وتجربہ کی بناء پر غیر صحیح طور پر طول وعرض ہند کے ہر مسلمان کے حالات کی یکسانیت پر قیاس واطلاق کرتے ہوئے یہ نتیجہ نکال لینا میرے لیے کچھ مشکل نہیں کہ مسلمانوں کی انفرادی واجتماعی دونوں قسم کی زندگی اتنی برباد، اتنی مخدوش، اتنی ظلم وحیوانیت سے لبریز اور جن امراض میں گھری ہوئی ہے وہ اس درجہ مایوس کن ہیں کہ صرف یہی نہیں کہ مستقبل قریب میں ان کے سنبھلنے کی امید نہیں بلکہ ان کے برباد وغارت ہو جانے کی ویسی ہی توقع ہے جیسے یہ امید کہ صبح کا آفتاب اپنے ساتھ روشنی ونور یقیناً لائے گا۔

منزلی زندگی کی تعریف

لوگوں کے معاملات ومقدمات ان کی داستان غم انگیز، ان کی روداد عبرت خیز سن سن کر میں اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ شاید ہی مسلمانوں کا کوئی گھر ایسا ہو جو اس ظلم وجور کا شکار نہ ہو۔ ورنہ سو فیصدی اسی مہلک مرض میں گرفتار ہیں کہ ان کی منزلی زندگی برباد ہے۔ تم سمجھے کہ منزلی زندگی کیا ہے؟ تم جو کہتے ہو کہ ہمارا گھر، تو بتاؤ کہ تمہارے نزدیک گھر کا کیا مطلب ہے؟ کیا یہ مطلب سمجھتے ہو کہ کچی پکی اینٹوں کو چن کر ایک چاردیواری قائم کر دی؟ یا پتھر اور لوہے کی ایک سر بہ فلک عمارت

کھڑی کردی یا لکڑی کے ستونوں اور پتوں اور خس وخاشاک سے ایک احاطہ گھیر لیا اور وہ گھر ہو گیا؟ مگر تم اچھی طرح سمجھ لو کہ ان تعمیروں اور گذاروں کی تدبیروں سے گھر نہیں بنا کرتا۔ گھر تو نام ہے مل جل، خاندانی زندگی کا، اسی کو کہتے ہیں منزلی زندگی۔ اسی منزلی زندگی کے قیام پر قرآن نے زور دیا ہے۔ اسی منزلی زندگی کے احیاء، ترویج اور پابندی پر جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی تعلیمات میں اشارہ فرمایا ہے۔ اسی منزلی زندگی کے لیے جس کی خوبیاں، جس کے فوائد اور جس کی اہمیت کو دنیا نے اور بالخصوص خطہ عرب نے پس پشت ڈال دیا تھا، رحمت الٰہی ورافت خداوندی جوش میں آئی اور ایک پیکر رحمت ومجسمہ رافت۔ ﴿ بِالْمُؤْمِنِينَ رَءُوفٌ رَّحِيمٌ ☆﴾ (۹: ۱۲۸) جس پر تمہارے شیرازے کا انتشار شاق اور تمہاری انفرادی واجتماعی اصلاح اور سود وبہبود کی حرص غالب تھی۔ تم میں آیا اور تمہیں انسانیت کے درس دیئے۔ تمہاری انفرادی، اجتماعی، معاشرتی، تمدنی، دینی ودنیوی زندگی کے سوز وزیاں کے اصول بتائے اور اپنے عمل واسوہ کا نمونہ دکھایا اور اسی منزلی زندگی کو تمہاری دنیاوی ودینی ترقی کا حکمت خداوندی نے سبب وبنیاد بنا دیا ہے مگر صد ہزار افسوس کہ تم نے جس طرح اور ہزاروں روگ اپنے جسم وروح میں پیدا کر لیے ہیں، تمہاری اس خاندانی زندگی میں بھی ہزاروں ہزار بیماریاں لگ گئی ہیں۔ تم میں کتنی ہی دنیا کی شان وشوکت پیدا ہو جائے تم ذاتی طور پر کتنے ہی ترقی یافتہ کیوں نہ ہو جاؤ، تمہارے سامنے جبر وحکومت کے اقراری سجدے کتنے ہی کیوں نہ ہوتے رہیں لیکن اگر تمہاری خاندانی ومنزلی زندگی تیرہ ومکدر ہے، تو انفرادی ہو خواہ اجتماعی، تمہاری ساری شان وشوکت اور نام ونمود بے کار ہے اور تم ہرگز فلاح یافتہ فرد یا قوم نہیں کہے جا سکتے۔

منزلی زندگی کے حقیقی تصور کا سانچہ

بہ لحاظ اعمال وبہ اعتبار افعال ہر شخص ایک خاص سانچے میں ڈھل کر اپنا اپنا آئینہ اخلاق وکمال پیش کرتا ہے تو کوئی سانچہ ایسا بھی تو ہونا چاہیے کہ اس سے خاندانی زندگی کا جائزہ لیا جا سکے اور اجتماعی زندگی پرکھی جا سکے تو اس امتحان وآزمائش کے لیے نیز شریعت نے ہمیں مسلمانوں کی

اجتماعی زندگی کی جانچ پڑتال کے لیے منزلی زندگی کا ایک سانچہ اور معیار بنا دیا ہے جس سے ہم دیکھ سکتے ہیں کہ اس کے گھر کی زندگی کا کیا حال ہے اور جب ہم اس معیار کو لے کر کسی کے گھر کی زندگی کو دیکھتے ہیں تو تم جانتے ہو کہ نتیجہ کیسا نکلتا ہے۔ افسوس کہ مسلمان اس امتحان میں سب سے زیادہ ناکام و برباد پائے جاتے ہیں۔ ان کی گھریلو زندگی آج جتنی ناشاد و نامراد ہے، ان کی گھریلو زندگی آج جس قدر محتاجِ اصلاح ہے، ان کی گھریلو زندگی آج جتنی قابل ماتم ہے اتنی کبھی کسی زمانہ میں نہ تھی۔

گھریلو زندگی کے فرائض سے جس درجہ آج یہ قوم غافل ہے، گھریلو زندگی کے فوائد سے جس درجہ آج یہ قوم ناآشنا و محروم ہے اس پر جتنا افسوس کیا جائے، ان کی بدبختی پر جتنا ماتم کیا جائے بجا ہے۔

عبد و اللہ کے حقوق کی تقسیم اور تم

حقوق اللہ

حقوق اللہ یعنی اللہ کی ذات اور اس کی صفات کے لیے اسی کی ٹھہرائی ہوئی حد بندیوں کے اندر چند اعتقادات، کچھ اعمال اور بعض پابندیاں تھیں لیکن اس معاملہ میں تم کہاں پہنچ گئے ہو؟ تم میں سے کوئی ایسا نہ ہو گا جو اس سے ناواقف ہو کہ اللہ کی ذات جو مالک تھی، قادر تھی، خالق تھی اس کو ایک عضو معطل اور بت بے جان قرار دے رکھا ہے۔ انسانی ڈھانچوں اور خود ساختہ آثار پر اپنے جہل اور وہم پرستیوں کی وجہ سے...... ﴿ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ ﴾ (۶۴:۳) اور خدا جانے کیا کیا مسجود و معبود بنا کر صریح شرک اور فسق و فجور میں مبتلا ہو کر رہ گئے ہو۔ جادۂ حقیقت سے دور اور گمراہیوں اور قبیحات میں پھنس کر روح اسلام کھو بیٹھے ہو، یہ ہے وہ حال جو اللہ کے حقوق کے بارے میں تم نے بنا رکھا ہے۔

حقوق عباد

تعلیم نبوی، اعمال صحابہ اور بلاغت قرآنی کے مطالعہ سے جس کو دیکھنے اور سننے کی تمہیں مہلت نہیں ملتی۔ معلوم ہوتا ہے کہ کوئی بہت بڑی نعمت ان احکام اور احکام کی تعمیل میں پوشیدہ تھی

اور جس میں سے ایک خاص بلکہ خاص الخاص گھریلو زندگی تھی وہی تم نے برباد کردی ہے اور اب گھریلو زندگی کے لیے جہاں کہیں اور جس مسلمان کے گھر میں نفوس اور تلاش کی جائے وہ معدوم ہوگی۔ گویا وہ چیز جو یکسر خیر و برکت اور قرآن کی بولی میں رحمت تھی اس سے آج مسلمان کا گھر تقریباً خالی ہے یعنی تمہارا کوئی گوشہ زندگی اتنا گندہ و تاریک نہیں ہے جتنا گھریلو زندگی کا نقشہ گندہ و تاریک ہے۔ قرآن نے جہاں ہر چیز کے پرکھنے کی کسوٹی بنائی ہے وہاں اسلامی خاندانی زندگی کی جانچ کے لیے بھی کسوٹی بنا دی ہے۔ اس کے پیش نظر فیصلہ کیا جا سکتا ہے کہ مسلمانوں کے گھر کی چھت کے نیچے قرآن کے ان احکام کی پابندی کا کیا حال ہے؟

باپ کے ذمے فرائض ہیں اولاد کے۔ اولاد کے ذمہ فرائض ہیں والدین کے۔ شوہر کے ذمہ فرائض ہیں بیوی کے۔ بیوی کے ذمہ اللہ کے ٹھہرائے ہوئے شوہر کے حقوق ہیں۔ بیوی کو چاہیے کہ وہ انہیں بجالائے اور شوہر پر فرض ہے کہ بیوی جو ہر طرف سے منہ موڑ کر اور دنیا جہان کے تعلقات سے دست بردار ہوکر شوہر کی چار دیواری میں اسی کی ہوکر رہ گئی ہے اس کی رضاجوئی کو مقدم رکھے اور حق ادا کرنے میں کوئی کوتاہی نہ کرے تاکہ پاک اور سعید زندگی پیدا ہو۔ بلاغت قرآن نے اس چیز کو الیھا کے جامع الفاظ سے ظاہر کیا ہے یعنی پاک اور سعید زندگی کی ایسی شان و شوکت کہ ہر وصف وصفت کی قلبی تسکین و روحانی دلبستگی زوجین محسوس کریں اور اس کے لطف و برکات سے دونوں لذت اندوز ہوں لیکن تمہاری زندگی میں جو چیز یکسر عنقا ہے اور تمہاری زندگی جن صعوبات اور سوانح سے لبریز ہے وہ ہر قسم کی ذلت، نکبت اور معصومیت و نگونساری ہے۔ کاش تم کبھی اپنی اس حالت پر غور کرنے کے لیے ایک لحہ بھی اپنے پُر معصیت اوقاتِ حیات سے نکال سکتے۔

حقوق عباد میں سے گھریلو زندگی کی برکات اور سکینہ قلب کا پہلا انعام قرآنی بول چال میں تو وہ تھا جو تم نے ابھی سنا۔ اس کے علاوہ بھی دو انعام الٰہی، دو عطائے خداوندی اور بھی ہیں یعنی ﴿ وَجَعَلَ بَيْنَكُم مَّوَدَّةً وَرَحْمَةً ﴾ (۲۱:۳۰)۔ اس زندگی کی بنیاد اور اس کا انعام مودہ و رحمتہ ہے۔ اب گویا تین انعام ہوئے (۱) سکون، راحت اور چین جب تم گھر میں قدم رکھو تو کوئی ایسا ہو جو تمہاری راہ میں آنکھوں کا فرش بچھاتا ہوا، تمہاری تسکین دل و دماغ اور راحت جسم و روح کا سبب

ہو جس کی ذات سے اللہ کا منشاء پورا ہوتا ہو کہ ﴿ لِتَسْكُنُوْا اِلَيْهَا ﴾ (۲۱:۳۰) (۲) مودت، دوستی، باہمی ارتباط و محبت (۳) رحمت۔ اعجاز قرآنی ہے کہ اللہ نے رحمت کو بھی جو اس کی خاص الخاص ملکیت تھی تمہارے خصائل حسنہ میں سے ایک قرار دے دیا۔

رحمت کیا ہے؟ رحمت و مودت میں فرق کیا ہے؟ مودت، تو باہمی ربط و نسبت تھی جو اپنی انتہا میں محبت ہو گئی اور رحمت یہ ہے کہ محبت نے اتنی ترقی کی کہ جب وہ اپنی آخری حد تک پہنچی تو رحمت نام پایا۔ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنی امت کے ساتھ یہی رشتہ محبت تھا جو کبھی ﴿بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ﴾ (۱۲۸:۹) کا لقب پایا۔ کبھی ﴿وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ﴾ (۱۰۷:۲۱) سے یاد کیا گیا۔ پس رحمت کیا ہوئی انتہائی ہمدردی، رحم و عفو و بخشش و درگزر، چشم پوشی وغیرہ۔

پس قرآن کے مقرر کردہ معیار کے مطابق کیا تمہاری منزلی یا خاندانی زندگی میں یہ تین چیزیں سکون، مودت اور رحمت پائی جاتی ہیں۔ کیا تمہاری منزلی زندگی کی یہ شان ہے کہ جب تم گھر کی چار دیواری میں قدم رکھو تو راحت و چین تمہیں گھیر لے مگر میں جانتا ہوں کہ ایسا نہیں ہے اور ہرگز ایسا نہیں ہے۔ میں جانتا ہوں کہ تم اپنے گھروں سے نکلتے وقت ایک بیقرار ہستی، ایک مضطر دل، ایک بے چین اور بے جان انسانی ڈھانچہ چھوڑ کر جاتے ہو تو پھر تم کیوں کر امید رکھ سکتے ہو کہ گھر کی چار دیواری میں قدم رکھتے ہی سکون و مسرت و رحمت تمہارا خیر مقدم کرے گی۔

مردوں کے جور بے جا نے فتنوں کے دروازے کھول دیئے

قرآن کی عدالت میں، بنی نوع کی عدالت میں، انسانیت کی عدالت میں ان تمام بے قراریوں، بے چینیوں اور بالفاظ صحیح برکتوں اور سعادتوں کے چھن جانے کا سبب، شوہروں کا بیویوں پر ظلم ہے۔ یہ چیز بلاشبہ عام تھی لیکن بعثت نبوی سے قبل مگر قرآن نے آ کے بتلایا کہ شوہر اور بیوی میں بہ اعتبار حقوق کوئی فرق نہیں ہے۔ معصیت ہے اگر بیوی شوہر کا حق ادا نہ کرے اور ظلم و معصیت ہے اگر شوہر بیوی کے حقوق ادا کرنے میں غفلت و بے پروائی اور بے نیازی برتے۔ غور

کیا، اچھی طرح سمجھ لو کہ اللہ کے ٹھہرائے ہوئے حدود سے تجاوز کے جرم کا ارتکاب ہوگا۔ اگر اپنے گھروں کی چار دیواری میں بیوی بنا کر تم نے جس کو بند کر رکھا ہے اس کے ان حقوق کا پاس و لحاظ نہ کرو جو قرآن نے اسے بخشے ہیں۔

افسوس کہ آج مسلمانوں کی معیشت اور ان کی گھریلو زندگی کا بالکل یہی حال ہے۔ سبب یہ ہے کہ منزلی زندگی کا سانچہ ہی بگڑ گیا ہے اور جب اخلاق و عادات کا سانچہ کسی فرد و جماعت کا ٹیڑھا ہو جاتا ہے تو اس سے جتنی شکلیں بنتی ہیں سب ٹیڑھی ہو جاتی ہیں چنانچہ آج مسلمان باعتبار فرد اور باعتبار جماعت اس درجہ پست و ذلیل حالت میں اسی لیے ہے کہ وہ کتاب و سنت سے دور جا پڑا ہے۔ جھوٹی فخاری اور ڈینگ میں مبتلا، اوہام پرستیوں اور اپنی گھڑی ہوئی جماعت بندیوں میں گرفتار ہے نیز اس کی انفرادی و اجتماعی زندگی کا سانچہ بھی ٹیڑھا ہو چکا ہے۔ ناصح کی نصیحت اور دردمندوں کے مشورے کے لیے صلاحیت قبول سے بھی عاجز و تہی دست ہو چکا ہے..... بیوی کے حقوق ادا کرو ورنہ نماز و روزہ بیکار ہے..... یاد رکھو اگر تم بیوی کا حق ادا نہیں کرتے تو تمہاری نماز تمہارا روزہ سب بیکار ہیں۔ سن لو اگر تم بیوی کا حق ادا نہیں کرتے تو تمہاری خیر و خیرات بھی ہرگز قبول نہیں۔ پہلے ان کا حق ادا کرو پھر دین کے دوسرے فرائض کو پورا کرو۔ تمہاری غذا اور تمہارے لباس میں یکسانیت ہونی چاہیے۔ اگر ایسا نہیں کر سکتے تو قرآن کی بولی میں تم شدید معصیت کے مرتکب ہوتے ہو یا تو انہیں ٹھیک طور پر بیوی بنا کر رکھو یا طلاق دے کر ان کا راستہ کھول دو۔ ﴿ وَ سَرِّحُوْهُنَّ سَرَاحًا جَمِيْلًا ﴾ (۴۹:۳۳) ایسا مت کرو کہ بیچ میں روک لو۔ ﴿ وَ لَا تُضَآرُّوْهُنَّ ﴾ (۶۵:۶) ان کو مضرت نہ پہنچاؤ نیز اشد شدید معصیت و ظلم ہوگا کہ انہیں ادھر میں لٹکائے رکھو۔ نہ ان کی خبرگیری کرو، نہ ان کو اجازت و طلاق دو کہ اپنے سود و صلاح کا اور کوئی انتظام کریں۔ کالمعلقہ قرآنی الفاظ ہیں یعنی ان کو لٹکائے رکھنا نہ خود پوچھنا نہ انہیں آزاد کرنا۔ حالانکہ جب کبھی اور جہاں کہیں ایسا ہو بیوی کو حق ہے کہ تفریق کا مطالبہ کرے، شریعت نے ہرگز اس حق سے انہیں محروم نہیں کیا۔ اگرچہ ظالم شوہروں نے اس حق و انصاف کا دروازہ ان پر بند رکھا ہے۔ بیویاں تمہارے نزدیک تو لونڈیاں ہیں۔ ہاں نزول قرآن سے پہلے لونڈیاں ہی تھیں۔

لونڈیاں ہی نہیں جائیداد منقولہ مگر قرآن ہی تھا جس نے اس انسانیت سوز ظلم کا استیصال کیا اور دونوں کو برابر برابر کا درجہ دیا۔

مظلوم بیویوں کے ارتداد کی ذمہ داری مردوں پر ہے

تم نے تو سمجھ لیا ہے کہ مرد کے لیے جائز ہے کہ وہ عیاشیاں کرے اور گھر کی مالکہ پر مظالم پر مظالم کرے مگر صبر و ضبط تاکے؟ نتیجہ یہ ہوا کہ تمہاری بداعمالیوں اور بدسلوکیوں سے تنگ آ کر انہوں نے آغوشِ دین سے نکلنا اور مرتد و عیسائی ہونا شروع کر دیا۔ غور کرو، تمہارے ظلم و شرارت نے دین کو کتنا زبردست صدمہ اور کتنا ناقابل تلافی نقصان پہنچایا، کیا کبھی سوچا؟ مگر اس سوچنے کی زحمت نفس پرستی دیتی ہی کب ہے؟ کبھی سوچا کہ تمہاری ان گمراہیوں نے اب تک کتنی عفت و عصمت کی دیویوں کو تمہارے ظلم و جور کے خلاف احتجاج کے باعث آغوشِ دین سے چھین کر آغوشِ کفر و عیسائیت میں دے دیا ہے۔ جو اسی موقعہ کی تاک میں ہر جگہ جال پھیلائے بیٹھا ہے پس ان معصوم و مظلوم بندگانِ الٰہی کی حمایت اور تمہارے ظلم و ستم کی پاداش میں تم پر جتنے بھی گوناگوں عذاب الٰہی نازل ہوں اور جتنی بھی ذلتوں اور نکبتوں کا تمہیں شکار ہونا پڑے کم ہے۔

ظالم مردوں کے ظلم کی خداوندی پاداش

مجھے غصہ آتا ہے ان وحشی و ظالم شوہروں پر جو ان غیور، غریب اور بے زبان و شریف بیویوں کو اس درجہ مجبور کر دیتے ہیں کہ وہ غیر اخلاقی وغیر اسلامی افعال پر اتر آئیں۔ شرم و حیا ناموس کو طاق پر رکھیں اور ظالم شوہروں سے مخلصی و نجات پانے کے لیے ارتداد جیسے گناہ عظیم کا ارتکاب کریں اور تمہاری بداعمالیوں کی طویل فہرست میں تمہارے ایک ایسے ناقابل عفو اور فوری گرفت کے قابل ظلم و بربریت کا اضافہ ہو۔

ظالمو! کیا آسمان سے تمہیں کو دل دیا گیا ہے اور آنکھ کہ قدم قدم پر رجھتے پھریں اور وہ دل اور خواہشات نفس سے محروم خلق ہوئی ہیں۔ اگر ایسا سمجھتے ہو تو سخت غلط فہمی میں مبتلا ہو۔ کیا تمہاری آنکھوں سے بصارت بھی جاتی رہی، اگر دل کی بصیرت سے محروم ہو چکے ہو۔ بدنصیبو! تمہاری

موجودہ ذلت، حرماں، ناکامی ونامرادی تمہارے کرتوتوں کا نتیجہ ہے۔ تمہاری ہی بے دردی اور ظلم کا تمیازہ ہے جو تم دن رات یارواغیار کے ساتھ کرتے رہتے ہو کہ نہ تمہاری زبان سے آج اپنے محفوظ ہیں نہ ہاتھ سے بیگانے مصئون۔ اور حیرانی اس بات پر ہے، ماتم اس کا ہے کہ سب کچھ کرنے کے باوجود اس درجہ نادان بن جاتے ہو گویا کچھ کیا ہی نہیں۔ آہ کہ احساس معصیت، تمیز جرائم کی قوت ہی سلب ہوگئی ہے پھر شکوہ یہ کہ اللہ نے خیر و برکت ہی اٹھالی ہے اور اپنے انعام و برکات سے محروم کر دیا ہے۔ نعمت کے دروازے بند کر دیئے ہیں۔ حالانکہ اللہ فرماتا ہے ﴿ وَمَآ اَنَا بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيْدِ ﴾ (۱۸۲:۲) اللہ اپنے بندوں کے لیے ظالم نہیں۔ نیز دوسری جگہ امساک انعام کا صاف صاف سبب فرمادیا ہے ﴿ بِمَا كَسَبَتْ اَيْدِى النَّاسِ ﴾ (۴۱:۳۰) یہ عذاب تو تمہاری بداعمالیوں کی پاداش میں ہے۔ کاش قرآن میں تدبر کرنے کی توفیق تمہیں ہوتی جو تمہارے فلاح وصلاح اور سود و بہبود کا ضامن اور دستور العمل تھا۔

ایک وکیل کی اختراع اور علماء کی غفلت

چنانچہ دہلی کے ایک مسلمان وکیل نے یہ طریقہ یعنی ارتداد تقریباً پندرہ سال ہوتے ہیں کہ ایجاد کیا اور یہ حیلہ و نسخہ تراشا کہ ایسی خواتین کے لیے یہ ایک موثر و تیر بہدف علاج ہے مگر افسوس کہ اس کے نتائج وعواقب پر نہ غور کیا نہ ان نتائج کی اصلاح کی کوئی تجویز سوچی اور نہ سبب وعلت پر کسی کی نظر گئی کہ اگر علت دور ہو جائے تو علاج خود بخود ہو گیا اور مریض نے ٹھوکر تو کھائی مگر سنبھالا لے کر تندرست ہو گیا۔

اس معاملہ میں علمائے ملت کی مجرمانہ غفلت بھی کچھ کم رنج وملال کا سبب نہیں۔ عوام تو عوام کالانعام ہی ٹھہرے ان کو بھی میں نے کتنی مرتبہ توجہ دلائی۔ جو نکلا مگر ایک دو انگڑائیوں کے بعد یہ پھر جیوں کے تیوں سو گئے۔ بعض جگہ اگر کچھ اصلاح کار کی طرف قدم اٹھایا بھی گیا تو غیر موثر و ناکام طریق پر نتیجہ جو ہونا چاہیے ہو رہا ہے۔

بدبختو! کیا تم آرام کی زندگی اپنی ان بداعمالیوں کے ساتھ بسر کر رہے ہو؟ نہیں ہرگز نہیں۔ وہ گھر جس کو جنت کا ایک ٹکڑا کہا گیا ہے کیا وہ تمہارا گھر ہے؟ نہیں اور ہرگز نہیں۔ ایسا گھر تو وہ ہے جس میں سکون، ہو پراگندگی نہ ہو، مودت ہو۔ انتشار واستکراہ نہ ہو، رحمت ہو۔ کلفت وزحمت نہ ہو

اور یہ چیز وہیں ملے گی جہاں لوگ ایک دوسرے کے حق کا پاس کرتے ہوں گے۔ جہاں دوسرے کے حق کا ضیاع و اتلاف ہوگا، وہاں خیر و برکت کی محرومی اور ذلت و نامرادی کے سوا اور ہو کیا سکتا ہے۔ خاندانی زندگی جہاں اور جس گھر کی خراب ہوگی نہ اولاد کی تربیت ہوگی، نہ امن ہوگا، نہ سکون ہوگا، نہ مودت ہوگی نہ خیر و برکت۔ بہر حال اسلامی زندگی کا جہاں تک تعلق ہے، وہ زندگی نہ ہوگی بلکہ ایک لعنت ہوگی۔ مستقل لعنت، دوامی لعنت۔

یاد رکھو تمہاری بہتری بھی جب ہی ممکن ہے جب تمہاری عورتیں تم سے خوش ہوں اور بہتر، چنانچہ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے۔ ﴿ خیرکم خیرکم لاھلہ اور خیارکم خیارکم لنسائکم ﴾ تم میں اچھا وہی ہے جو اپنے اہل و عورت کی نظر میں بھی اچھا ہے اور اسے تم سے کوئی شکایت نہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوہ حسنہ سے اعراض

وقت ہو اور تمہاری نظریں وہاں تک پہنچ سکیں تو خود نظر کرو صاف معلوم ہوگا کہ طاقت بشری کا جہاں تک تعلق ہے جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اسوہ پاک میں یہ سب کچھ دکھا دیا ہے اور اس عہد سعادت یا مابعد کے سال و زمانہ میں جو ایک طرف سچی آزادی کا زمانہ اور دوسری طرف تکمیل شرافت و شریعت کا زمانہ تھا کہیں بھی اس حیوانیت و ظلم کا نام و نشان نہ تھا۔

مگر تم نے بدبختو! تم نے ہی اغیار و کفار کی سفاکانہ عادات بھی سیکھیں۔ نہ صرف سیکھیں بلکہ تمہاری سرشت و فطرت میں طبیعت ثانی بن کر داخل ہو گئیں اور تمہارے رگ و پے میں جاری و ساری اور تم ہم گھریلو زندگی، پاک وصاف اور ستھری زندگی سکون، مودت اور رحمت کی زندگی اور اس کی برکات سے محروم ہو گئے۔ منصف و عادل حقیقی کا دست انتقام اٹھا اور تم سے تمام برکات اسلامیہ چھین لے گیا۔

تعدد ازدواج کی شرطیں

بلاشبہ اسلام نے اجازت دی ہے کہ اگر حالات ایسے ہی آ پڑیں کہ تمہیں دوسری بیویوں کی ضرورت ہو تو تم ایسا کر سکتے ہو لیکن اس شرط و قید کے ساتھ کہ ہر بیوی کے ساتھ عدالت قائم رکھو۔

عدالت کا لفظ سن کر چونکو نہیں۔ عدالت ہی کی شرط پر تم کو اجازت عقد ثانی مل سکتی ہے۔ کھانے پینے میں بھی انصاف و عدالت، پہننے اوڑھنے میں بھی عدالت اور تعلقات زناشوئی میں انصاف و عدالت، اگر ایسا نہیں کر سکتے تو پھر لازم ہے، لازم نہیں فرض اور فرض بھی ایسا کہ بلا اس فرض کی تعمیل و تکمیل کے، دیگر فرائض بھی کالعدم کہ پہلے طلاق دے کر ان کو حسن سلوک کے ساتھ رخصت کر دو، پھر عقد ثانی کرو۔ یاد رکھو کہ عقد ثانی کہہ رہا ہوں۔ خوب غور سے سن لو کہ عقد ثانی کہہ رہا ہوں۔ عیاشی و حرام کاری کی اجازت نہیں دے رہا جس کی شریعت نے سخت ممانعت کی ہے بلکہ جس قدر سختی اس جبر کے روکنے میں ہوئی ہے کسی دوسرے مسئلہ شرعیہ میں نہیں ہوئی۔

پس تم کو لازم ہے کہ اپنی اولین فرصت میں اپنی زندگی کا جائزہ لو اور دیکھو کہ تمہاری منزلی زندگی کا کیا حال ہے؟ آیا وہ قرآن کے احکام کے عین مطابق ہے یا وہ تباہ ہو رہی ہے۔ تم کو اگر اللہ احتساب کی توفیق دے تو تم میں سے جو شخص چاہے کہ وہ اپنی زندگیوں کا احتساب کرے آیا وہ سب کے حقوق ٹھیک ٹھیک ادا کر رہا ہے یا نہیں۔ پوری سچائی سے اس پر عامل ہے یا نہیں۔ خوب اچھی طرح سن لو یہ حق حقوق اللہ میں سے نہیں ہے۔ اللہ کو اپنے حق کے بارے میں اختیار ہے باز پرس کرے یا بخش دے۔ یہ بندوں کے حقوق ہیں اور اسے خدا بھی نہ بخشے گا جب تک بندے نہ بخشیں۔ لہٰذا ڈرو اس بات سے کہ بندوں خصوصاً اپنی بیوی کے حق کو ظالمانہ طریق سے تلف کرو اور باز آؤ اس جسارت و شرارت سے کہ ان مظلوموں کو اتنا مجبور کرو کہ وہ ارتداد پر اتر آئیں اور تمہارے پنجہ ظلم سے نجات پانے کی اس کے سوا اور کوئی راہ انہیں نظر نہ آئے۔

میں تمہیں یقین دلاتا ہوں اور اس منبر پر کھڑے ہو کر اس کی ذمہ داریوں کو محسوس کرتے ہوئے یقین دلاتا ہوں کہ منزلی زندگی کی خوبی ہی، تعمیر ملت اور مسلمان کی قومی و اجتماعی زندگی کے قصر رفیع کی خشت اولیں ہے۔ لہٰذا گھر کی زندگی میں ان برکتوں اور سعادتوں کو تلاش کرو جو تمہیں قرآن نے دی تھیں۔

﴿ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ حَقَّ تُقَاتِهِ وَلَا تَمُوتُنَّ إِلَّا وَأَنتُم مُّسْلِمُونَ ﴾ (۳:۱۰۲)

ارکان اسلام کی بنیاد اور مقصود اصلی

خطبہ مسنونہ کے بعد

ابھی تھوڑے دن کی بات ہے کہ میں نے تمہیں یاد دلایا تھا کہ قرآن حکیم نے مسلمانوں کی جماعتی زندگی کی جو پہچان قرار دی تھی وہ کون سا عمل ہے؟ نماز۔ تو نماز اتنی اہم علامت ہے کہ وہ اسلام کی پہچان قرار پائی۔ جس جماعت میں پائی جائے وہ مسلمان جماعت ہے۔ جس میں نہ پائی جائے معلوم ہوا کہ وہ مسلمان جماعت نہیں ہے۔ اسی طرح شریعت کے جتنے اعمال وارکان ہیں اپنی اپنی جگہ فضیلت رکھتے ہیں اور سچے مسلمان کی پہچان اور علامت کا کام دیتے ہیں لیکن آج میں چاہتا ہوں کہ چند کلمے ایسے بھی بتاؤں جو نماز، روزہ، زکوٰۃ و حج سب سے زیادہ اہم ہے بلکہ شریعت کے جتنے احکام واوامر ہیں ان سب سے زیادہ اہم ہے، کیوں؟ اس لیے کہ یہ جڑ ہے۔ ارکان شریعت تو شاخیں ہیں، پھل ہیں، پتے ہیں، مگر جڑ نہیں ہیں۔ جڑ کیا ہے؟ یہ ہے جس پر میں اب توجہ دلاؤں گا اگر یہ نہیں ہے تو وہ عمل بیکار عبث ولایعنی ہو جاتے ہیں اور میں دیکھتا ہوں کہ بدقسمتی سے ظاہر ومعلوم ارکان اسلام پر کسی کا عامل ہو جانا ہے، مفتیان دین کی بارگاہ سے اس کے مومن ومتقی ہونے کی سند دلا دیا کرتا ہے حالانکہ یہ وہ گمراہی ہے جس میں اکثر وبیشتر گم اور حقیقت سے دور ہو گئے ہیں۔

احکام واعمال کے مقاصد اور وسائل

شریعت کے جتنے احکام واعمال ہیں ان کے متعلق یاد رکھنا چاہیے کہ ان میں سے ہر ایک کے لیے..... مقاصد اور وسائل ہیں۔ مقصد ہی فی نفسہٖ مطلوب ہوتا ہے جس کے بغیر نہ اعمال اعمال رہتے ہیں نہ ارکان ارکان۔ ہر عمل شریعت جو شارع نے تجویز کیا اس کی غرض وغایت کیا تھی

اس میں کیا لم اور کیا راز تھا؟ یاد رکھو کہ ہر عمل کے ماتحت ایک مقصد تھا اور اہم مقصد، ایسا مقصد جو انسانیت کی روح اور تخلیق آدم کا سبب تھا، رشد وہدایت کا سبب تھا اور بعثت انبیاء کا سبب...... اس مقصد کو جب ڈھونڈنا چاہا تو معلوم ہوا کہ تمہیں وہ چیز مل نہیں سکتی جب تک کچھ اور کام نہ کرو اور اسی کا نام ہے وسیلہ ...... اور یہ وسیلہ بھی اسی لیے ضروری ہے کہ اس کے بغیر مقصد نہیں ملتا، مثلاً تمہارے پاس وقت کی حکومت کے چلے ہوئے نوٹ ہوں گے۔ یہ نوٹ کیا ہے؟ دیکھنے میں تو یہ چھ دام کا بھی کاغذ نہیں ہے لیکن اس میں لکھا ہوتا ہے ایک ہزار روپیہ یہ ایک ہزار روپیہ تم تسلیم کر لیتے ہو اور تسلیم اس لیے کر لیتے ہو کہ حکومت ضمانت دیتی ہے اور چونکہ تم نے اور بازار نے حکومت کی ساکھ اور ضمانت کا اعتبار کر لیا ہے اور اس کا سکہ تمہارے دلوں پر بیٹھا ہوا ہے۔ اس لیے اس کی قیمت کے ایک ہزار ہونے میں تم کوئی چون وچرا نہیں کرتے حالانکہ سب جانتے ہیں اور تم کو بھی یقین ہے کہ اگر حکومت ایک منٹ کے لیے بھی اپنی ضمانت نوٹوں پر سے اٹھا لے تو وہ کاغذ کا ایک ردی پرزہ ہے اور بس، مگر یہی پرزہ کاغذ تمہاری ایک ہزار روپیہ کی مالیت کی ضروریات کی مطلب براری کی دستاویز ہے اور وسیلہ ہے تمہاری حاجت روائی کا نیز زندگی کی معیشت کے لیے تم کو جو بہت سی چیزیں چاہئیں ان کے لیے گویہ کاغذ مقصد تو نہ تھا مگر مقصد کا وسیلہ ہو گیا۔ اور چونکہ مقصد کا وسیلہ ہو گیا ہے لہٰذا اسے لوہے کی الماریوں، مستحکم ترین اور محفوظ ترین تہہ خانوں اور گھر کی کوٹھڑیوں میں عمیق ترین جگہوں میں پوشیدہ کر کے رکھتے ہو کیونکہ یہ کاغذ چھ دام کا نہیں ایک ہزار کا ہے لہٰذا اس کے لیے اتنے اہتمام اور پوشیدہ ترین جگہوں کی تلاش وجستجو میں تم مصروف ہو۔

اعمالِ شریعت وسائل ہیں مقصود نہیں

اب تم خود اندازہ کرو کہ کیا اعمالِ شریعت کے مقاصد نہ ہوں گے اور وہ صرف عملوں پر ہی منحصر وموقوف رہے گا۔ درآنحالیکہ ایک ردی کاغذ کا پرزہ اپنے اندر اہمیت ومقاصد رکھتا ہے۔ یاد رکھو کہ اعمالِ شریعت مقاصد میں داخل نہیں ہیں، وسائل میں داخل ہیں۔ اور مقصد حاصل نہیں ہوتا جب تک وسائل نہ ہوں۔ اللہ کے کلام نے بتا دیا ہے۔ صاحب وحی نے بتا دیا ہے۔ صحابہ کی

زندگیوں سے واضح ہے۔ کاش تمہاری آنکھوں میں بصارت کے ساتھ دلوں کی آنکھ میں بھی روشنی ہوتی۔ اللہ کا کلام دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر عمل کا نتیجہ ومقصد کیا ہے۔ مثلاً وہ بتاتا ہے کہ نماز سے کیا ملتا ہے جو فرض قرار دی گئی ہے؟ یہ ملتا ہے ﴿ وَ یَنْھٰی عَنِ الْفَحْشَآءِ وَ الْمُنْکَرِ ﴾ (۱۶:۹۰) یعنی اگر نماز اپنے شرائط کے ساتھ تم نے قائم کر لی تو وہ تم میں ایسی روح پیدا کر دے گی کہ فحشاء اور منکرات کی لعنتیں تم سے دور ہو جائیں گی (جاہلیت عرب کے شعراء وادباء کے اسناد کے حوالہ سے فرمایا کہ) فحشاء ہر قسم کی برائی کا نام ہے نہ کہ مخصوص برائیوں کا نام جیسا کہ فلسفی دماغ کے اکثر مفسرین وواضعین فقہ وشارحین مسائل نے پر پیچ دفاتر لکھ ڈالے ہیں۔ اسی طرح ''منکر'' ہر قسم کی بری بات، چھوٹی ہو خواہ بڑی، کم ہو خواہ زیادہ، عمل سے ہو خواہ ارادہ سے، نہ شرط ہے نہ خصوصیت' کہ یہی منشائے قرآن دفرودہ رسول ہے۔ لہٰذا نماز پر جس جماعت نے عملدرآمد شروع کیا دیکھیں گے کہ اس میں نماز کی فضیلت پیدا ہوئی کہ نہیں، ہاتھ کو دیکھیں گے پاؤں کو دیکھیں گے، زبان کو دیکھیں گے اور اگر بن پڑا تو دل بھی چیر کر دیکھیں گے، نماز کے بعد تمہیں یہ دیکھنا ہوگا کہ پاؤں اب بھی برائیوں کی طرف دوڑ رہے ہیں۔ زبان غیبت میں ہنوز مصروف ہے۔ ہاتھ اب بھی ظلم وعدوان کے لیے ویسا ہی اٹھتا ہے۔ بیوی کے لیے اچھا شوہر نہیں ہے۔ بیٹے کے لیے شفیق باپ نہیں ہے۔ بھائی کے لیے مہربان بھائی نہیں ہے۔ ہمسایہ کے لیے ہمدرد ہمسایہ نہیں ہے تو ہم (منبر کی طرف اشارہ فرماتے ہوئے فرمایا) اس جگہ سے اعلان کر سکتے ہیں کہ وہ نماز، نماز ہی نہیں ہے دھوکا ہے، فریب ہے، اگرچہ دلوں کا حال علام الغیوب بہتر جانتا ہے۔ پس وہ کاغذ جو وسیلہ تھا ایک ہزار کا، وہ ایک ہزار کا وسیلہ نہ رہا بلکہ ردی کاغذ کا ایک پرزہ ہو کر رہ گیا۔

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک فیصلہ

﴿ یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا کُتِبَ عَلَیْکُمُ الصِّیَامُ کَمَا کُتِبَ عَلَی الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِکُمْ لَعَلَّکُمْ تَتَّقُوْنَ ﴾ (۲:۱۸۳) کیا روزہ بھوک اور پیاس کا نام ہے؟ نہیں! تو پھر کیا شب کے آخری حصہ میں اچھی اچھی غذاؤں سے معدہ کو بھر لینے اور سارا دن خوشبودار ڈکار لیتے رہنے کا

نام ہے اگر یہ بھی نہیں تو پھر تقویٰ کیا ہے؟

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا فیصلہ موجود ہے۔ فرمایا کتنے ہی روزہ دار ہیں جن کو ان کے روزوں سے بھوک اور پیاس ان جوع والعطش کے سوا کچھ نہیں ملتا، نہ ان کو کوئی روحانی برکت حاصل ہوگی نہ آخرت میں کوئی ثواب ملے گا۔ ورنہ اس روزے کے بے شمار فضائل ہیں مگر حاصل کیسے ہوں جب بھڑکتی سچائی کی کوئی چبھن باقی ہوتی، صداقت اور خلوص کا، رجاء الٰہی کا، ارجاع خداوندی کا اگر کوئی جذبہ دل میں پنہاں ہوتا -- اور جب یہ صفات معدوم ہیں تو اعمال شرعی کا نتیجہ بھی معلوم، افراد نہیں بلکہ جماعت اگر برکات و فیوض سے محروم ہے تو پھر شکایت کیوں۔ معلوم ہوا کہ یا تو لوگ ارکان اسلام کو ترک کیے ہوئے ہیں یا کرتے ہیں تو رسم اور ریت کے طور پر۔ آج یہی حال مسلمانوں کا بھی ہے۔ نماز پڑھتے ہیں۔ کیوں پڑھتے ہیں؟ اس لیے کہ رسم و رواج ایسا ہی سمجھتے ہیں۔ روزہ رکھتے ہیں کیوں رکھتے ہیں؟ اس لیے کہ ریت اور چلن ایسا ہی دیکھتے ہیں۔ بس جو چیز اہم تھی اور جس کے اثرات و ثمرات، فیوض و برکات مہتم بالشان تھے۔ جب وہ رسم و رواج ریت اور چلن کے دائرہ میں محدود ہو گیا تو پھر کیسی برکت۔ کہاں کا انعام ﴿نحن نفتي بالظواهر﴾ ہم تو ظاہر پر فتویٰ دیتے ہیں۔ ایسے ہی لوگوں کے لیے قرآن کہتا ہے۔ ﴿وَيْلٌ لِّلْمُطَفِّفِيْنَ﴾ (۸۳:۱) بس معلوم ہو گیا کہ روزہ نماز، زکوٰۃ اور حج اعمال و ارکان اسلام وسائل ہیں بلکہ لازمی وسائل مگر مقصد نہیں ہیں۔ نیز یہ کہ ہر کاغذ ہزار کا نہیں ہے بلکہ وہی ہے جس میں حکومت کی مہر اور اس کی گارنٹی ہو اور جس کو تم چھپا چھپا کر جیبوں میں رکھتے ہو، محفوظ کر کے تالوں میں رکھتے ہو۔ بھاری بھاری الماریوں میں رکھتے ہو اور پھر بھی رکھو گے۔ بس عام اس سے کہ معاملہ افراد کا ہو یا جماعت کا، مسلم جماعت و فرد وہی ہے جس کو قرآن و رسول کے مفہوم میں سند حاصل ہو اور اسلامی اعمال و ارکان جو کچھ مقاصد رکھتے ہیں اپنے عملوں سے تم نے انہیں حاصل کر لیا ہو۔ مسجد سے باہر نکلتے ہی کسی مسلمان کی تم نے غیبت کی تو نماز فعل عبث، بیوی کے ساتھ بدسلوکی کی تو وہ چیز نہ رہی جس کو اللہ نے ﴿الصَّلٰوةَ تَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ وَ الْمُنْكَرِ﴾ (۲۹:۴۵) کہا ہے۔ کچھ اور چیز ہو تو ہو۔

چراغ کی مثال دیتے ہوئے حضرت امام نے فرمایا کہ نماز اگر تم کو برائیوں سے نہیں روکتی تو

سمجھ لوکہ نماز نے تمہارے دل کی زمین میں صلاحیت ہی نہیں پائی کہ اس میں روشنی پیدا کرتی اور دل کی زمین میں صلاحیت اس لیے نہیں کہ تمہاری منزلی زندگی برباد ہے۔ تم میں جتھہ بندی، اونچ نیچ، چھوت چھات، جھوٹی فخاری اور اسی قسم وقبیل کے ہزاروں عیوب اور دل کی بیماریاں پیدا ہوگئی ہیں۔ بس یہی وجہ ہے کہ تمہارا ہر عمل، حقیقت سے خالی، اخلاص سے دور اور بلحاظ نتائج ومقاصد فعل عبث ہو کر رہ جاتا ہے۔

حضرت عمرؓ کا ایک معیار اخلاق

ایک مرتبہ حضرت عمرؓ کو ایک گورنر کی تلاش ہوئی۔ کسی شخص نے ایک آدمی کا نام پیش کر کے کہا کہ اس سے بہتر آدمی گورنری کے لیے نہیں مل سکتا۔ آپ نے دریافت کیا کیسے؟ جواب دیا میں نے اس کو ہمیشہ نماز وروزہ میں سرگرم پایا ہے۔ آپ نے دریافت کیا کیا کبھی سفر میں تمہارا اس کا ساتھ ہوا ہے۔ جواب دیا نہیں۔ دریافت کیا لین دین میں، جواب تھا نہیں۔ اچھا پھر سلوک کے بارے میں کیا کہتے ہو جو لوگوں کے ساتھ اس کا ہے۔ جواب ملا، اس معاملہ میں بھی میں کچھ نہیں کہہ سکتا، فرمایا پھر کیسے کہتے ہو کہ گورنری کے لیے وہ بہتر اور موزوں شخص ہے؟ غور کرو گے تو معلوم ہوگا کہ حضرت عمرؓ کا یہ فیصلہ انسانی خوبیوں کی جانچ کے لیے بہترین معیار ہے۔ آدمی کے اپنے اعمال وخصائل اور خصائص کی صحیح جانچ انہی تین حالتوں میں ہوسکتی ہے۔ سفر کے عالم میں وہ اپنے آپ کو بہت کچھ لیے دیئے رہتا ہے پھر بھی اس کے خصائل ظاہر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتے۔ لین دین میں اس کے اعمال ونیت کی یچی جانچ پوشیدہ ہوتی ہے باہم سلوک ورواداری اس کی طبعی خصائص کا مظاہرہ کیے بغیر نہیں رہ سکتی۔ صرف نماز پڑھنے سے کوئی شخص متقی، مومن نہیں ہوجاتا چہ جائیکہ گورنری جیسی ذمہ داری کی خدمت اس کو سپرد کر دی جائے چنانچہ حضرت عمرؓ ہی کا قول ہے غرّنی جلوسی فی المساجد دھوکہ کھا گیا میں مسجد میں بہت بیٹھنے سے اصل رعایت دل کی نیکی اور نفس کی پاکی ہے۔ دیکھنا یہ چاہیے کہ اس کا کیا حال ہے اگر وہ چیز پیدا نہ ہوئی تو یہ سارے اعمال فعل عبث سے زیادہ نہیں لیکن اگر اعمال شریعت کی بجا آوری سے تم میں دل کی نیکی،

نفس کی پاکی، اخلاق اور چال چلن کی درستی پیدا ہوگئی ہے تو سمجھو کہ تمہاری نماز وہی نماز ہے جس کے قائم کرنے کا قرآن میں حکم ہے۔ یہ ساری چیزیں سانچے ہیں جن میں ڈھل کر تمہاری روح پاک وصاف ہوگئی ہے اور تم خصائص اسلامی کے حامل و مالک ہو۔ کیسے ممکن ہے کہ ایک شخص نماز پڑھے اور غیبت سے اس کی زبان آلودہ ہو۔

پس اب غور کر کے اس راز کو جو اگرچہ راز نہ تھا مگر قرآن سے اعراض، حدیث سے انکار، صحابہ کی زندگیوں کے مطالعہ سے غفلت کی بدولت تمہارے لیے اب راز ہو گیا ہے۔ خوب سمجھ لو کہ شریعت مطہرہ کے جتنے اعمال وارکان ہیں وہ کچھ خاص خوبی ہم میں پیدا کرنا چاہتے ہیں اور انہی خوبیوں کے حصول و مجموعہ سے تم صفات بشریت اور خصائص واوصاف انسانیت سے متصف ہو کر اخلاق کا اعلیٰ نمونہ بن سکتے ہو اور وہ اپنے اندر وہ خاص شان و دلکشی رکھتے ہیں جو اغیار کو کھینچ کر اسلام کے قدموں میں لایا کرتی تھی۔ تم اور حیف کہ تم نے جس دن سے اپنے اندر سے انسانیت و اخلاق کے یہ اوصاف خارج کیے۔ سرمستیوں اور اوہام پرستیوں میں مبتلا ہوئے اس دن سے تم پر ذلت، بلا، ابتلاء نگونساری اور غلامی ومحکومی مسلط کردی گئی۔ کاش تم اب چونکتے، غفلت کی چادر منہ سے ہٹا کر دیکھتے کہ دنیا میں کیا ہو رہا ہے اور تم کس حال میں محو خواب ہو؟

ایک اہم فریضہ دین

جس سے امت مرحومہ استہزاء کر رہی ہے

خطبہ عید الفطر

(کلکتہ) نماز عید الفطر کے موقعہ پر قلعہ کے میدان میں جس وقت تقریباً ڈیڑھ لاکھ پرستاران حق و فرزندان توحید خالق اکبر کے حضور میں عبودیت و ولاء سے شکر نعمت کے لیے مجتمع ہوئے تو اس سال بھی حسب معمول گزشتہ اسلامی شوکت و عظمت کا ایک دھندلا سا نقش دیکھنے والوں کا نظر آ گیا جس وقت ڈیڑھ سو صفیں (ہر صف میں تقریباً ایک ہزار آدمیوں کی شرکت باعتبار اوسط قیاس کی جاتی ہے) ایک ترتیب و تنظیم کے ساتھ درست ہو کر بارگاہ رب العزت کے حضور میں جبیں سائی کے لیے سربسجود ہونے کو تیار ہوئیں تو دیکھنے والوں کے قلوب پر گو لیس یہ اثر ہوا کہ امت مرحومہ زندہ ہے اور اس کے آثار حیات اس کے بجائے دوام کے ضامن نظر آتے ہیں لیکن تاہم سرسری مطالعہ کرنے والوں میں وہ معبرین بھی تھے جو اچھی طرح سمجھتے تھے کہ یہ صرف ڈھانچہ ہی ڈھانچہ ہے۔ در نہ وہ روح ہو قومی اسپرٹ جو حیات قومی کی اصلی ضامن ہے اس عظیم الشان جمعیۃ میں مفقود ہے ایک پیکر ہے جس میں روح نہیں۔ ایک جسد خاکی ہے جس میں قوت محرکہ کی کمی ہے اور یہ فقدان روح کا نتیجہ ہے۔ صرف احکام الٰہی سے تلعب و استہزاء کا جس کی طرف مولانا نے اپنے خطبہ میں کافی تفصیل سے گفتگو فرمائی۔

نماز کے بعد امام الہند حضرت مولانا ابوالکلام صاحب آزاد نے حسب معمول قدیم خطبہ پڑھا۔ میدان میں اس سال بھی ریڈیو کا انتظام تھا۔ اگرچہ اتنے بڑے مجمع کے لیے کافی نہ تھا تاہم اس کی مدد سے مجمع کا ایک بڑا حصہ مستفید ہوا۔ مولانا کی خطابت کی سحر آفرینی کے متعلق کچھ لکھنا تحصیل حاصل ہے لیکن اس موقعہ پر مولانا مدظلہ کی قوت خطابت اپنی انتہائی شدت سے نمایاں تھی اور وہ لوگ جن کو مولانا مدظلہ کی تقریریں سننے کا بارہا اتفاق ہوا ہے اقرار کرتے تھے کہ نہ صرف دنیائے اسلام بلکہ دنیائے موجودہ کا یہ خطیب اعظم اپنی بے مثال اور حیرت انگیز قوت خطابت کا مظاہرہ کر رہا تھا۔ افسوس کہ مولانا کی تقریر لفظ بہ لفظ ضبط تحریر میں نہ آ سکی۔

خطبہ مسنونہ کے بعد!

مولانا نے فرمایا کہ بیسویں صدی کی حیرت انگیز ایجادات میں یہ ریڈیو بھی ہے جس کی مدد سے میں اپنی آواز اس بڑی جماعت کے ہر فرد کے کانوں تک پہنچا سکتا ہوں لیکن افسوس کہ ابھی تک کوئی آلہ ایجاد نہیں ہوا جس کی مدد سے آپ کے قلوب تک آواز پہنچا سکوں۔

میری آواز گزشتہ ۲۵ برسوں سے اسی میدان میں ہر سال دوبار کم وبیش ایک لاکھ مسلمانوں کے پردہ گوش سے ٹکرا کر رہ جاتی ہے لیکن تمہارے قلوب کے قفل کھولنے میں ناکام رہی ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ کوئی ایسا آلہ ایجاد ہوتا جس سے تمہارے وابستہ قلوب کے پٹ کھل جاتے اور میں ان حقائق کو تمہارے اعماق قلب میں اتار سکتا جو تمہاری بہبود و فلاح کے ضامن ہیں۔ جو لوگ رفتار زمانہ سے باخبر ہیں وہ جانتے ہیں کہ دنیا کے تمام مذاہب کے پیرو اپنے اپنے مذاہب کی اصلاح و ترمیم کی طرف مائل ہیں۔ اصلاح کا یہ سلسلہ گزشتہ تین سو سال سے قائم ہے۔ عیسائیوں نے اس اصلاح کی ضرورت اس لیے محسوس کی کہ عیسوی مذہب کے احکام اقتضائے زمانہ و تغیر ماحول کا ساتھ نہ دے سکے۔ یہی حال ہمارے ہندو بھائیوں کا ہے کہ وہ جب تک منوجی کے شاستر میں ترمیم و اصلاح نہ کریں وہ مقتضیات زمانہ سے مقابلہ کے اہل نہیں ہو سکتے اور ان کو ہر ہر قدم پر منوجی کے شاستر میں ترمیم و اصلاح کی ضرورت محسوس ہو رہی ہے۔ شاید حقوق نسواں کے متعلق دیگر مذاہب کے پیرو اپنے اپنے مذاہب کے احکام کو توڑ مروڑ کر اس قابل بنا رہے ہیں کہ وہ مقتضیات زمانہ کے مطابق ہو سکیں۔

ایک حقیقت ثابتہ

لیکن میں علی وجہ البصیرت کہتا ہوں کہ مسلمانوں کو مذہبی احکام میں اس طرح کی ترمیم و اصلاح کی یکسر ضرورت نہیں کیونکہ ان کی شریعت کے قوانین جامع و مکمل ہیں۔ اس میں نہ

ترمیم کی گنجائش ہے نہ اصلاح کی۔ دوسری قوموں کو اگر زندہ رہنے کے لیے اپنے اپنے مذاہب میں ترمیم واصلاح کی ضرورت ہے تو مسلمانوں کو ضرورت اس بات کی ہے کہ وہ اپنی شریعت کو اور مضبوط پکڑیں اور قوانین اسلام کی شدت سے پیروی کریں۔ دوسری قوموں کی فلاح و بہبود اگر اپنے اپنے مذہب سے دوری اختیار کرنے میں ہے تو مسلمانوں کی فلاح و بہبود کا راز اپنے مذہب سے گرویدگی واتباع کامل میں مضمر ہے۔

مسلمانوں کا مذہب سے بُعد

لیکن مسلمان اپنے مذہب سے بُعد اختیار کر رہے ہیں اور جو شے ان کی ترقی، بہبود وفلاح کی ضامن ہے اس سے روگردانی کر رہے ہیں۔ آپ خیال کرتے ہوں گے کہ مسلمان اپنی شغفِ دینی اور گرویدگیِ مذہب کے لیے مشہور ہیں۔ یہ صحیح ہے لیکن ان کا شغف صورت پرستی ہے اور ان کی گرویدگی صرف ہیئت ظاہری سے ہے۔ وہ روحِ عمل، وہ اسپرٹ جوان احکام اور امر ونواہی کے پس پردہ کام کرتی ہے وہ اِن پیروان احکام سے یکسر مفقود ہے۔

اس جماعت میں ایک کثیر تعداد ان لوگوں کی ہے جو نماز کے شدت سے پابند ہیں لیکن میں کہتا ہوں کہ ان کی نماز صرف ایک ہیئت، ایک صورت اور ایک ڈھانچہ سے زیادہ قدر وقیمت نہیں رکھتی۔ نماز کی وہ اسپرٹ، وہ روحِ عمل ان میں موجود نہیں جس کے آثار نماز پڑھنے والوں میں پائے جائیں اور جس کی شناختِ مطلق کا کلامِ ربانی ناطق ہے۔ اگر وہ روحِ نماز ان نماز پڑھنے والوں میں ہوتی تو اس کے آثار بھی یقیناً ظاہر ہوتے۔

احکامِ دین سے تلعب واستہزاء

مسلمان فی الواقع احکامِ دین سے تلعب واستہزاء کر رہے ہیں۔ افسوس کہ تم کو عربی سے اتنا بعد ہو گیا ہے کہ مجھے شبہ ہے کہ لفظ تلعب تمہاری سمجھ میں آیا کہ نہیں۔ کیا اس لفظ کے ترجمہ کی ضرورت ہوگی؟ تلعب کے معنی ہیں ہنسی کھیل کرنے کے۔ مسلمانوں نے اس سے مذاق کر رکھا ہے اور اس کا ٹھٹھا اڑا رہے ہیں۔

مسلمانوں کی فرقہ بندیاں

میرا پہلے خیال تھا کہ مسلمانوں کی اصلاحِ حال میں سب سے بڑی روک علماء ومشائخ کا وجود ہے لیکن تجربہ سے میرا خیال باطل ثابت ہوا۔ علماء ومشائخ کا گروہ ہرگز کسی اصلاحی تحریک میں رکاوٹ پیدا نہیں کرتا بلکہ سب سے بڑی رکاوٹ ان مسلمانوں کی طرف سے ہوتی ہے جو اپنی بہترین نفس پرستی کا مظاہرہ اس موقعہ پر کرتے ہیں۔ مسلمان زبانی دعوے تو بڑے لمبے چوڑے کرتے ہیں کہ ہم کو مذہب سے سروکار ہے، فرقہ پرستی وفرقہ بندی کی ذہنیت سے بالاتر ہیں لیکن جب امتحان کا وقت آتا ہے تو ساری قلعی کھل جاتی ہے اور اس وقت پنجابی ٹولی اور میمن جماعت اور فرقہ بوہرہ وغیرہ وغیرہ متعدد ٹولیاں اپنے نام ونمود کی خاطر اپنی تمام قوت کے ساتھ اپنے اپنے فرقوں کی ہستی کو ثابت کرنے کے لیے نکل پڑتی ہیں۔

زکوٰۃ کی تنظیم

زکوٰۃ کی تنظیم میں جو اصل رکاوٹ ہے وہ انہیں فرقہ پرستوں کی طرف سے ہوتی ہے۔ کوئی میمن سیٹھ صاحب یا بوہرہ تاجر یا پنجابی دولتمند زکوٰۃ کو اس لیے کسی جماعتی نظام کے ماتحت نہیں کرنا چاہتا کہ اس سے اس کو نام وتمغہ حاصل کرنے کا موقعہ نہیں رہے گا۔ آج تو یہ حال ہے کہ ہر گلی کوچہ میں شور ہے کہ فلاں امیر الامراء نے زکوٰۃ میں اس قدر کثیر رقم نکالی اور فلاں سیٹھ صاحب کے یہاں زکوٰۃ بٹ رہی ہے۔ کل جب یہ سارا فنڈ جماعتی نظام کے ماتحت ہو جائے گا تو اس کا موقعہ کہاں رہے گا۔ ضرورت ہے کہ زکوٰۃ ایک تنظیم کے ماتحت ہو جو واضح شریعت کا منشاء ہے اور اگر مسلمان صرف اس تنظیم زکوٰۃ سے عہدہ برآ ہو جائیں تو میں پوری ذمہ داری کے ساتھ اعلان کرتا ہوں کہ پھر مسلمانوں کو کسی دوسری شے کی ضرورت ہی نہیں۔ یہ اقتصادی اونچ نیچ جس نے آج کل یورپ وامریکہ کے ماہرین اقتصادیات وسیاسیات کو پریشان کر رکھا ہے اور ان سے اس کا صحیح عمل نہیں ہوتا۔ اس کا مؤثر، بے خطا حکمی اور نہایت سہل علاج تو اسلام کے اندر اسی زکوٰۃ کے حکم میں موجود ہے لیکن مسلمانوں نے فریضہ زکوٰۃ کی ادائیگی میں جس کوتاہی عمل کا ثبوت دیا ہے وہ یقیناً

احکام دین کے ساتھ تمسخر واستہزاء کے مترادف ہے۔

احکام شریعت پر کامل ۳۵ سال تک میں نے پوری طرح غور وخوض کیا اور اس ۳۵ سال کے عرصہ میں شاید ہی کوئی دن ایسا ہو جس کی کوئی صبح کوئی شام اس فکر سے خالی گزری ہو۔ اور میں اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ واضع شریعت کا منشاء یہ ہے کہ اس کے احکام ایک جماعتی نظام کے ماتحت اجراء پائیں لیکن مسلمانوں نے اس جماعتی نظام کی اہمیت کو نہیں سمجھا۔

دین اسلام کے دو عظیم الشان ستون نماز اور زکوٰۃ ہوئے جن کے متعلق قرآن مجید میں بکثرت ساتھ ساتھ احکام نازل ہوئے ہیں۔ قرآن حکیم میں بکثرت ﴿ اَقَامُوا الصَّلٰوۃَ وَ اٰتَوُا الزَّکٰوۃَ ﴾ (۵:۹) ایک ہی جگہ نظر آئیں گے۔ ان دونوں عظیم الشان حکموں کا اجراء ایک جماعتی نظام کے ماتحت ہونا ضروری ہے۔

فریضہ نماز کی ادائیگی میں (گو وہ صرف صورت ہی سہی) یہ جماعتی نظام تو خیر ایک حد تک نظر بھی آتا ہے سیکڑوں مسجدیں نمازیوں سے آباد ہیں جہاں نماز باجماعت ادا ہوتی ہے اور عیدین کے موقعہ پر یہ اجتماع اور زیادہ نظر آتا ہے لیکن عظیم الشان فریضہ زکوٰۃ سے مسلمان فی الواقع علیحدہ ہیں۔

کاش مجھ میں ایسی قوت ہوتی یا وہ شے موجود ہوتی جس کی مدد سے میں تمہارے مقفل قلوب کے پٹ کھول سکتا تاکہ میری آواز تمہارے کانوں میں نہیں بلکہ دل میں سما سکتی اور تم اس حقیقت کو اچھی طرح سمجھ سکتے۔

***

کھوئے ہوئے وقار
کی واپسی کا واحد علاج

خطبہ عید الاضحیٰ

خطبہ مسنونہ کے بعد

انجمن تبلیغ الاسلام کلکتہ یقیناً شکریہ کی مستحق ہے کہ اس کی مساعی مفید سے مفید تر ہوتی جارہی ہے۔ اس میدان میں پہلے میری آواز ایک محدود حلقہ تک پہنچتی تھی، پچھلے چند سالوں سے انجمن کی مساعی اور سائنس کی ایک مفید ایجاد کی امداد سے پورے میدان میں پہنچنے لگی لیکن اس مرتبہ جیسا کہ مجھے یقین دلایا گیا ہے میری آواز ہندوستان کے گوشے گوشے میں پہنچ رہی ہے۔ یہی نہیں بلکہ مجھے اس بات کا بھی یقین دلایا گیا ہے کہ ہمالیہ کی چوٹی، سمندر کی موج اور ریگستان عرب کے بگولے بھی میری آواز کو روک نہیں رہے اور میری آواز مشرق و مغرب کے محلوں اور وادیوں سے ٹکرا رہی ہے۔ ہونے کو تو یہ سب کچھ ہے اور جو کچھ ہے سزاوارِ تحسین و تعریف، بمبئی کلکتہ سے بارہ سو میل کے فاصلہ پر ہے۔ پشاور کلکتہ سے پندرہ سو میل دور ہے۔ وہاں بھی میری آواز پہنچ رہی ہے لیکن میں تم سے پوچھتا ہوں کہ تمہارے کانوں سے تمہارے دلوں کی دنیا کتنی دور ہے جہاں میری آواز نہیں پہنچتی؟ تمہارے کانوں کے پردہ سے ٹکرا کر رہ جاتی ہے اور دل کوئی اثر، کوئی سبق اور کوئی عزت قبول نہیں کرتا۔ تمہارے دلوں کی اس بے اثری اور عدم صلاحیت، اس دنیا کی ویرانی کا یہ عالم کیوں؟ اس دروازے پر غفلت کے بھاری قفل کس لیے؟ اقرار و انکار کا سبب کیا ہے؟ این ورق

کہ سیاہ گشتنہ مدعا اینجاست، میرے مخاطب تو تمہارے دل تھے، تمہارے کان نہیں، وہ تو صرف ذریعہ تھا دلوں تک بات پہنچانے کا مگر میں جانتا ہوں کہ اعراض مسلسل اور انکار پیہم نے اب اس قابل ہی نہ رکھا کہ تمہارے دلوں کو مخاطب کیا جائے۔ اس لیے میں دل کا نام نہیں لیتا اور تمہارے کانوں سے خطاب کرتا ہوں۔

۱۹۰۶ء میں والدِ مرحوم کی موجودگی میں سب سے پہلے اسی مقام سے اسی منبر پر کھڑے ہو کر میری ایک ہی آواز جو حقیقت کی آواز ہے بلند ہوتی آئی ہے اور آج ۳۶ء میں جبکہ پورے تیس برس کا قرن گزر چکا ہے باستثناء درمیان کے چند سالوں کے جبکہ وقت کے اہم اور ملک کی نازک صورت حال نے مجھے کلکتہ سے جبراً دور و معذور رکھا، میں اسی حقیقت کا اعادہ کرتا رہا ہوں اور تمہیں توجہ دلاتا رہا ہوں لیکن تم نے اب تک میری ایک بات نہ سنی۔ یہی وجہ ہے کہ آج میں تمہارے بے حس دل کو نہیں تمہارے کانوں تک اپنی آواز، وہی حقیقت کی آواز پہنچاتا ہوں کیونکہ تم نے اپنے دلوں پر غفلتوں کے اتنے پردے ڈال لیے ہیں، امتیاز و عرفان کے اس مرکز پر اتنے قفل چڑھا لیے ہیں کہ اس دل کو، وہی دل جسے آج تم عید کے پرتکلف کپڑوں میں چھپائے بیٹھے ہو مخاطب نہیں کر سکتا۔

جانتا ہوں کہ تم نے ہمیشہ میری بات ٹھکرائی ہے۔ صبح شباب کی بات نہ سنی اگر چہ حقیقت تھی، اچھا! جوانی کی دوپہر کی نصیحت پر کان نہ لگایا جو سراسر صداقت تھی، اچھا! تو کیا اب شامِ زندگی کی بات بھی نہ مانو گے؟...... نہ مانو! نہ سنو، تم میری بات سے انکار نہیں کر سکتے کیونکہ میری بات سے انکار، حقیقت سے انکار ہے اور تم حقیقت سے انکار نہیں کر سکتے۔ تم نے میری بات سے انکار کرکے کوئی فائدہ نہ اٹھایا، حقیقت سے انکار کرکے کوئی شخص فائدہ نہیں اٹھا سکتا۔ میں جو کہتا ہوں سراسر حقیقت ہے۔ تم نے میری بات سے انکار کرکے اپنی اجتماعی عزت کو صدمہ پہنچایا، حقیقت سے انکار کرکے کوئی شخص عزت حاصل نہیں کر سکتا۔ سن رکھو کہ حقیقت میرے ساتھ ہے، حقیقت میری آواز ہے اور وہ کسی طرح ٹھکرائی جا نہیں سکتی۔

جس حقیقت کو ایک مدت سے میں تمہارے سامنے رکھتا آیا ہوں، آج پھر اسی حقیقت کو تمہارے کانوں تک پہنچاتا ہوں۔ دل کا نام میں اس لیے نہیں لیتا کہ اس سے کام لینے کی تمہیں ضد

ہے۔ جو منزلِ انوار تھا اب وہ نفس پرستیوں اور نفسانی اغراض کا تمہار ادفینہ ہے لیکن کیا اتنے بڑے انسانی ہجوم میں پانچ دل بھی ایسے نہیں جن میں کچھ صلاحیت باقی ہو اور وہ اس حقیقت کو قبول کرسکیں؟ میں پورے تیس برس کے غور وفکر کے بعد کہ اس طویل زمانہ کا کوئی سورج اس کی کوئی شام ایسی نہیں گزری کہ میرے غور وفکر سے خالی گئی ہو اور میں نے پوری توجہ، چھان بین اور دلسوزی کے ساتھ غور وفکر نہ کیا ہو۔ اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ مسلمانوں کی اجتماعی صلاح وفلاح بجز اس کے کسی دوسری معاملت پر موقوف نہیں ہے جو قرآن کے ہر صفحے پر لکھا ہوا تم دیکھو گے یعنی

﴿ اِقَامَ الصَّلٰوۃِ وَ اِیْتَآءَ الزَّکٰوۃِ﴾ (۲:۴۳)......اور یہی دو مسائل ایسے مسئلے ہیں جن کو تم نے سب سے زیادہ غفلت کے حوالے کر دیا ہے۔ قرآن حکیم نے اس مسئلہ پر سب سے زیادہ تاکید کی مگر آج دونوں مسائل کو تم نے سب سے زیادہ پس پشت ڈال دیا ہے۔ سب سے زیادہ غفلت وہ غفلت جو انکار تو نہیں لیکن قریب انکار ضرور ہے، اسی غفلت کی نذر کر دیا ہے حالانکہ کفر و اسلام کے امتیاز کے سلسلے میں بھی اسی نماز و زکوۃ کو معیار قرار دیا گیا ہے۔ چنانچہ فرمایا: ﴿ فَاِنْ تَابُوْا وَ اَقَامُوا الصَّلٰوۃَ وَاٰتَوُا الزَّکٰوۃَ فَاِخْوَانُکُمْ فِی الدِّیْنِ﴾ (۹:۱۱) اگر وہ اپنی پہلی بداعمالیوں سے باز آ جائیں اور نماز پڑھیں اور زکوۃ کی پابندی کا اقرار کریں تو وہ بھی تمہاری برادری میں شامل کیے جا سکتے ہیں۔ معلوم ہوا کہ شرطِ اسلام، انحصار و مدار اسلام، نیک عملی کے ساتھ ساتھ مشروط ہے قیام صلوٰۃ اور ادائے زکوۃ پر......غور کرو گے تو خود سمجھو گے کہ اسلامی اعمال و احکام قطعاً اجتماعیت کے حامل ہیں۔ اسلام اپنے حلقہ بگوش افراد سے، خود اسی کے مفاد کے لیے مطالبہ کرتا ہے کہ اس کا ہر عمل احتجاجی ہو، اس لیے فرض قرار دیا گیا کہ نماز ہر مسلمان بہ استثناء حالت مجبوری ہمیشہ جماعت کے ساتھ ادا کرے۔ اگر مشاغل معاش و ذرائع روزی مخل ہوں تو لازم ہے کہ کم سے کم ایک وقت کی نماز ہر روز جماعت کے ساتھ ادا کرے۔

زکوٰۃ

اسی طرح زکوٰۃ کے بارے میں بھی حکم ہے۔ مسلمان کی زکوٰۃ بھی اجتماعی صورت سے حاصل وتقسیم کی جائے۔ کچھ پروا نہیں اگر پورے شہر کی تنظیم نہیں ہوسکتی اور آج میں اس غلط فہمی کی بھی تردید کردوں، جو بعض حلقوں میں ظاہر کی جارہی ہے کہ اس کے لیے امارت کی شرط ہے...... امارت کی قطعاً کوئی شرط نہیں۔ الا یہ کہ وہ ایک اولیٰ صورت ہے لیکن اگر امارت، حالات کے تقاضا یا ماحول کے امر سے بعید الامکان یا ناممکن ہے تو اس چیز کو جائز یا ناجائز بہانہ بنا کر اللہ کے ایک واضح، صریح اور تاکیدی حکم و اسلام کے ایک اہم فریضہ دین کے ایک رکن میں لیت ولعل، حیل و حجت، یقیناً سخت قابل مواخذہ، لائق سخت وعید۔ جو لوگ فرداً فرداً زکوٰۃ اپنے طور پر ادا کرتے ہیں، میں پہلے بتا چکا ہوں کہ درست نہیں ہے۔ آج ایک قدم اور آگے بڑھاتا ہوں اور اس منبر پر سے پوری ذمہ داری کے ساتھ اعلان کرتا ہوں کہ صرف یہی نہیں کہ ایسی زکوٰۃ جو انفرادی طور پر ادا کی گئی ہے درست نہیں ہے بلکہ صحیح اور واضح یہ ہے کہ وہ زکوٰۃ ہی نہیں ہے...... ایسی رقم کو کوئی دوسرا نام دیا جا سکتا ہے جو چاہو رکھ لو مگر زکوٰۃ نام نہیں دیا جا سکتا۔

بس جب تک تم بحیثیت مسلمان اجتماعی طور پر یا قرآن کے کسی حکم اور منشائے فطرت کے ماتحت اپنے اعمال خصوصاً نماز و زکوٰۃ کو تنظیم کے ساتھ ادا نہیں کرتے تم سے وہ تمام دینی برکات اور وعدے جن کی تم کو تلاش ہے ہمیشہ تم سے دور رہیں گی۔ اور جس دن تم نے اجتماعی شکل اور اعمال میں اجتماعی حسن نظام پیدا کر لیا یقین کرو کہ چھنی ہوئی تمام دولت تم کو سونپ دی جائے گی۔

میں تم کو آج پھر تاکید کرتا ہوں کہ اپنے اعمال میں اجتماعیت کی صورت پیدا کرو، اٹھو اور ہر قصبہ اور ہر محلے میں کم سے کم پانچ آدمیوں کی ایک کمیٹی بنا لو، چھ بھی نہیں، صرف پانچ جو زکوٰۃ کی تحصیل و تنظیم کرے اور اسے پوری ذمہ داری اور باقاعدگی کے ساتھ صرف کرے، تم دیکھو گے کہ بہت جلد پورا محلہ بلکہ پورا شہر تمہاری کمیٹی کا ممبر بن جائے گا اور یہ ایک نمونہ ہوگا جس کی تقلید کر کے خیر و برکت کے متلاشی اپنی سعادتوں اور گمشدہ متاع دولت و رحمت ڈھونڈیں گے۔ کیا تم میں ایسے

پانچ دل بھی نہیں جو میری بات بگوش دل سن سکیں۔

یاد رکھو، محض فکری وسائل سے تم اپنے کھوئے ہوئے وقار اور دولت کو حاصل نہیں کر سکتے، بنیادی چیز جس کو تم نے اپنی غفلتوں اور گمراہیوں کی نذر کر دیا ہے یعنی عمل اور عمل اجتماعی۔ جب تک اس پر استوار اور مضبوطی کے ساتھ قائم نہیں ہوتے تم کو اس وقت تک کھویا ہوا وقار اور چھنی ہوئی دولت واپس نہیں مل سکتی۔ فکری وسائل کو محض دماغ کے اندرونی حصہ کا رنگ و روغن سمجھو۔ یہ باہر کا رنگ و روغن نہیں ہے۔ باہر کی دیواریں جب ہی رنگین ہوں گی، جب عمل کا رنگ و روغن ابھر آئے اور عمل میں جب ہی رنگ و روغن پیدا ہوگا جب جڑ اور بنیاد مضبوط رکھو گے۔ تم کسی درخت کو ہرا بھرا، سبز و شاداب رکھنے کے لیے شاخوں اور پتوں پر پانی ڈالو گے تو درخت ہرگز سرسبز نہ ہوگا، البتہ اگر تم جڑ میں پانی دو گے اس کو ہرا رکھو گے تو تمام درخت سبز و شاداب اور بارآور رہے گا۔ لہٰذا اگر تم اپنے کھوئے ہوئے وقار اور چھنی ہوئی دولت کی واپسی کے کھوج میں ہو۔ اگر تم موجودہ پستی سے دوبارہ بام رفعت پر پہنچنا چاہتے ہو تو جڑ بنیاد اور اصل کی شادابی کی فکر کرو یعنی اپنی نمازوں پر استوار ہو جاؤ اور اجتماعی شکل میں زکوٰۃ کی تنظیم و تقسیم پر عامل کہ یہی دونوں عمل اصل اور بنیاد ہیں اور انہی پر قائم و عامل ہونے پر کھوئی ہوئی دولت کی واپسی کا مدار و انحصار۔

هذا، و ان احسن الكلام كلام الله الملك العلام ﴿فَبَشِّرْ عِبَادِ . الَّذِيْنَ يَسْتَمِعُوْنَ الْقَوْلَ فَيَتَّبِعُوْنَ اَحْسَنَهٗ﴾ (۳۹:۱۶۔۱۷) ﴿وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ﴾ (۲۴:۵۱)

❋❋❋

اسلامی زندگی اور اس کا طرۂ امتیاز

خطبہ جمعہ

خطبہ مسنونہ کے بعد

برادران عزیز! میں کتنے جمعوں سے کوشش کر رہا ہوں کہ ایک حقیقت تمہارے دلوں میں اتار دوں۔ معلوم نہیں تمہارے دل و دماغ کا کیا حال ہے؟ تم نے اسلام کے دو فریضوں کو جو سب سے زیادہ اہم تھے سب سے زیادہ غفلت کے حوالے کر دیا ہے اور یہی تمہارے جسم ملت کا اصل رنگ ہے۔ یہ دو فریضے کون سے ہیں؟ یقیناً تم سات دنوں کے اندر بھول نہیں گئے ہو گے۔ قیام صلوٰۃ اور ادائے زکوٰۃ۔

جماعتی زندگی اور اس کا عملی نشان

تمہاری زندگی کے دو عملی پہلو ہیں۔ ایک وہ جو تمہاری اکیلی زندگی کا ہوتا ہے اور ایک وہ جو دوسروں کے ساتھ مل جل کر پیدا کر لیتے ہو۔ پہلے کو انفرادی کہتے ہیں۔ دوسرے کو جماعتی۔ زندگی کے یہ دونوں پہلو اس طرح کے واقع ہوئے ہیں کہ ان میں جب تک کوئی خاص امتیازی رنگ پیدا نہ ہو وہ کوئی ممتاز اور مستقل ہستی پیدا نہیں کر سکتے۔ یہ رنگ کس چیز سے بنتا ہے؟ عمل سے اور صرف عمل سے۔۔۔ کیونکہ محض فکری حالت کا امتیاز یہاں کام نہیں دے سکتا۔ فکر جب تک فکر ہے اسے محض دماغ کا اندرونی رنگ و روغن سمجھو۔ باہر کا رنگ و روغن نہیں ہے۔ باہر کی دیواریں جب ہی رنگین ہوں گی جب عمل کا رنگ و روغن ابھر آئے۔ کچھ خاص طرح کے اعمال ہونے چاہئیں جن سے ایک فرد کی انفرادی زندگی، دوسری زندگیوں سے ممتاز ہو جائے۔ دنیا میں جتنی جماعتیں اپنی جماعتی زندگی کا استقلال رکھتی ہیں تم غور کرو گے تو ان کا کوئی نہ کوئی عملی رنگ ضرور ملے گا، ایسا رنگ

جو عام رنگوں میں انہیں صاف صاف نمایاں کر رہا ہے۔ تم دیکھتے ہی بول اٹھتے ہو یہ تو فلاں جماعت ہے، یہ تو فلاں جماعت کا فرد ہے۔ اعمال کے اس امتیاز کو ٹھیک رنگوں کا سا امتیاز سمجھو۔ تم کہتے ہو یہ تو لال رنگ ہے، یہ ہرا رنگ ہے، یہ پیلا رنگ ہے اور کبھی ایسا نہیں ہوتا کہ تمہاری نگاہیں اس تشخیص اور یقین میں بے امتیاز ہو جائیں۔ اسی طرح جماعتی اعمال کے بھی خاص خاص رنگ بن جاتے ہیں۔ ہر رنگ دوسرے رنگ سے اپنا الگ روپ رکھتا ہے۔ تم ایک جماعت کو دیکھتے ہو اور فوراً اس کی عملی خصوصیات کا رنگ دیکھ کر پہچان لیتے ہو کہ یہ تو لال رنگ والی جماعت ہے، یہ ہرے رنگ والی جماعت ہے۔ اعمال کے یہی مختلف رنگ ہیں جن سے مختلف جماعتیں بنی ہیں۔ انہی رنگوں سے انہیں نشو ونما ملتی ہے، انہی سے انسانی مستقل ہستی قائم رہتی ہے، انہی کی پختگی سے ان کی پختگی ہوتی ہے اور پھر یہی رنگ ہیں جو اگر دھیمے اور مدہم پڑ گئے تو جماعت کی جماعتی ہستی بھی کمزور پڑ گئی، اگر نابود ہو گئے تو جماعت بھی فنا ہو گئی۔

عملی امتیاز کا فقدان جماعت کا فقدان ہے

یہ دیکھو۔ ایک صاحب میرے سامنے لال رنگ کی شال اوڑھے بیٹھے ہیں۔ شالیں یہاں اور لوگوں کے کاندھوں پر بھی ہیں اور میری نگاہیں انہیں گن سکتی ہیں تم بھی گن لو، اس پہلی ہی صف میں پانچ شالیں موجود ہیں لیکن اتنی شالیں ہونے پر بھی اس شال کی ممتاز ہستی اپنی جگہ نمایاں ہے۔ ایسا نہیں ہو سکتا کہ تم ایسی دوسری شالوں کو الگ کر کے پہچان نہ لو۔ کیوں؟ اس لیے کہ گو شالیں یہاں بہت سی ہوئیں مگر لال رنگ کی شال یہی ایک ہے دوسری کوئی نہیں۔ اب غور کرو کس طرح رنگت کی لالی اس کا امتیازی نشان بن گئی ہے؟ یہی اس کی ممتاز ہستی ہے، اسی سے اس کی ہستی کا انفراد و استقلال ہے۔ اسی سے اس کی ساری شناخت ہے، اسی سے یہ تمام اشاروں کی مشارالیہ بن رہی ہے۔ اچھا اب فرض کرو، چند دنوں کے بعد اس کا یہ رنگ مدہم پڑ جائے، شوخ لال کی جگہ ہلکا گلابی رنگ ہو جائے پھر کیا اس کا امتیازی نشان بھی مدہم نہیں پڑ جائے گا؟ تمہارا سر ہل رہا ہے یعنی بلا تامل تصدیق کر رہے ہو کہ ہاں ایسا ہی ہوگا۔ اچھا فرض کرو۔ ایک وقت ایسا

آ جائے کہ اس کی رنگت کا وہ مدہم رنگ بھی باقی نہ رہے۔ میں تمہاری شال کے لیے بدشگونی نہیں کر رہا ہوں مثال دے رہا ہوں۔ فرض کرو لال رنگت بالکل غائب ہو جائے پھر کیا ہوگا؟ یقیناً تم کہو گے اس شال کی امتیازی ہستی بالکل ختم ہوگئی۔ شال اب بھی ہے لیکن وہ ممتاز شال نہ رہی جو لالی کی رنگت سے ابھر آئی تھی، یہی حال انسانی جماعتوں کا بھی ہے۔ ہر جماعت جو دوسری جماعتوں سے اپنی جماعتی ہستی میں ممتاز ہوتی ہے کوئی نہ کوئی عملی رنگ ضرور رکھتی ہے اور اسی رنگ سے اس کی زندگی کا قیام ظہور میں آتا ہے جب تک یہ عملی رنگ قائم ہے جماعت کی ہستی بھی قائم ہے جہاں یہ رنگ گیا جماعت کی ہستی بھی رخصت ہوگئی۔

مسلمانوں کی جماعتی ہستی اور اس کا عملی امتیاز

سوال پیدا ہوتا ہے۔ قرآن حکیم نے مسلمانوں کی جماعتی زندگی کے لیے کوئی عملی بنیاد قرار دی ہے؟ اور اگر قرار دی ہے تو وہ کیا ہے؟ کاش ایسے سوالوں کی خلش تمہارے دلوں میں پیدا ہوا کرے!

تم یہ سوال سامنے رکھ کر قرآن کا مطالعہ کرو۔ تمہیں بہت سے اعمال ملیں گے، جن پر قرآن نے مختلف پیرایوں میں زور دیا ہے لیکن تم دیکھو گے کہ وہ اعمال جنہیں وہ سب سے اونچی جگہ دیتا ہے سب سے زیادہ نمایاں کرتا ہے، سب سے زیادہ دہرا دہرا کر بیان کرتا ہے۔ اور پھر صاف صاف قطعی لفظوں میں انہیں مسلمانوں کے لیے بہ حیثیت ایک جماعت کے عملی نشان قرار دیتا ہے۔ صرف دو ہی عمل ہیں: قیام صلوٰۃ اور ادائے زکوٰۃ۔ لیس لھما ثالث ۔

سورہ حج کا اعلان

قرآن حکیم کی سب سے پہلی آیت جس نے مسلمانوں کو ظالموں کے مقابلے میں ہتھیار اٹھانے کی اجازت دی تھی، سورہ حج میں ہے:

﴿ اُذِنَ لِلَّذِیْنَ یُقٰتَلُوْنَ بِاَنَّهُمْ ظُلِمُوْا ؕ وَ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰی نَصْرِهِمْ لَقَدِیْرُ ﴾

(۳۹:۲۲)

جن مسلمانوں کے خلاف جنگ کی جا رہی ہے۔ اب انہیں اجازت ہے اور یہ اجازت اس لیے ہے کہ وہ مظلوم ہیں اور خدا ضرور اس پر قادر ہے کہ مظلوموں کو سہارا دے۔

پھر اس کے بعد یہ واضح کیا گیا ہے کہ اگر ان مظلوموں کو مدد ملی اور ان کے قدم ملک میں جم گئے تو اس کا نتیجہ کیا نکلے گا؟ یعنی اس انقلابِ حال سے جو جماعت پیدا ہوگی، وہ کیسی جماعت ہو گی؟ اس کا عملی امتیاز کیا ہوگا؟ چنانچہ فرمایا﴿ اَلَّذِيْنَ اِنْ مَّكَّنّٰهُمْ فِي الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ وَاَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ ۭ وَلِلّٰهِ عَاقِبَةُ الْاُمُوْرِ ﴾ (۴۱:۲۲) یہ وہ لوگ ہیں کہ اگر ہم ملک میں ان کے قدم جما دیں تو ایک ایسی جماعت پیدا ہو جائے گی جو نماز کا اہتمام کرے گی، زکوٰۃ ادا کرے گی، نیکی کا حکم دے گی، برائی سے مانع ہوگی اور انجام کار اللہ کے ہاتھ ہے۔

اب دیکھو یہ محل وصف و امتیاز کا محل تھا یعنی یہ حقیقت آشکارا کرنی تھی کہ یہ مظلوم مسلمان نصرتِ الٰہی کے مستحق ہیں کیونکہ اگر انہیں نصرت ملی تو ایک بہتر واضح جماعت پیدا ہو جائے گی اور اس کی جماعتی زندگی کی امتیازی خصوصیات ہوں گی لیکن یہ خصوصیات بیان کرتے ہوئے اور کسی عمل کا ذکر نہیں کیا گیا۔ صرف اقامت صلوٰۃ اور ادائے زکوٰۃ ہی کا ذکر کیا، آگے چل کر امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے اوصاف بھی آ گئے ہیں اور ان میں اجمالاً ساری باتیں آ جاتی ہیں۔ تاہم خصوصیت کے ساتھ یہ دو عمل ضرور نمایاں کیے گئے پھر یہاں روزہ کا ذکر نہیں کیا گیا۔ حج کا ذکر نہیں کیا گیا حالانکہ وہ بھی چار عملی رکنوں میں دو رکن ہیں صرف نماز اور زکوٰۃ ہی کو خصوصیت کے ساتھ ابھارا گیا ہے۔۔ اس سے معلوم ہو گیا کہ وحی و نبوت کی تعلیم و تزکیہ سے جو جماعت تیار ہو رہی تھی اس کا بہ حیثیت ایک جماعت کے امتیازی وصف یہی تھا کہ نماز قائم کرے گی اور ادائے زکوٰۃ کا نظام استوار ہوگا۔ اس کے انفرادی زندگی کے عملی اوصاف بہت سے ہیں لیکن جماعتی زندگی کا ممتاز وصف یہی دو عمل ہوئے۔

سورہ توبہ کی تصریحات

سورہ توبہ میں جہاں جنگ کے احکام بیان کیے گئے ہیں، پہلے فرمایا:

﴿ فَإِنْ تَابُوا وَأَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ فَخَلُّوا سَبِيلَهُمْ ﴾ (۹:۵)

پھر آگے چل کر تصریح کی۔

﴿فَإِنْ تَابُوا وَأَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ فَإِخْوَانُكُمْ فِي الدِّينِ﴾ (۹:۱۱) یعنی وہ لوگ اگر اپنی روش سے باز آجائیں نیز نماز کا اہتمام کریں۔ زکوٰۃ دینے لگیں تو پھر تم میں اور ان میں کوئی تفرقہ نہیں رہا۔ وہ تمہارے دینی بھائی ہو گئے۔

غور کرو۔ اس موقعہ پر یہ بات واضح کرنی تھی کہ اگر یہ لوگ ظلم و شرارت سے باز آجائیں اور مسلمان ہو جائیں تو تم میں اور ان میں کوئی تفرقہ نہیں رہے گا لیکن یہاں مسلمان ہونے کے لیے بطور شرط کے کن اعمال کا ذکر کیا گیا؟ صرف قیام صلوٰۃ اور ایتائے زکوٰۃ کا۔ اگر ان لوگوں کی جماعتی زندگی ایسی ہو جائے کہ نماز کا اہتمام کریں، زکوٰۃ کی ادائیگی میں سرگرم ہو جائیں تو پھر یہ تمہارے دینی بھائی ہو گئے۔ اس سے معلوم ہوا کہ قرآن کے نزدیک کسی انسانی جماعت کے مسلم جماعت ہونے کی علامت صرف یہی دو عمل ہیں، جس جماعت کی جماعتی زندگی میں یہ دو عمل نمایاں ہیں وہ مسلمان ہے جس میں نہیں ہیں وہ مسلمان نہیں۔

اسی طرح قرآن کے بے شمار مقامات ہیں جو اس حقیقت کا صاف صاف اعلان کر رہے ہیں۔ سورہ بقرہ کی ابتدائی آیات، اسلام کے عقائد و اعمال کے باب میں اصل و اساس کا حکم رکھتی ہیں۔ ان میں بھی جن دو عملوں کا ذکر کیا گیا ہے، وہ یہی دو عمل ہیں۔ تیسرے کو کوئی جگہ نہیں ملی ہے۔ ﴿ الَّذِينَ يُؤْمِنُونَ بِالْغَيْبِ وَيُقِيمُونَ الصَّلٰوةَ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُونَ. وَالَّذِينَ يُؤْمِنُونَ بِمَا أُنْزِلَ إِلَيْكَ وَمَا أُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ وَبِالْآخِرَةِ هُمْ يُوقِنُونَ ﴾

(۲:۳-۴)

جہاں تک اعتقاد کا تعلق ہے۔ یہاں ایمان بالغیب، ایمان بالقرآن، ایمان بالکتاب اور ایمان بالآخرۃ کا ذکر کیا گیا ہے لیکن جہاں تک عمل کا تعلق ہے صرف دو ہی عمل بیان کیے گئے ہیں۔

﴿ وَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَ مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ﴾ (۲:۳)

یقیناً تصریحات کا مطلب یہ نہیں ہو سکتا کہ قرآن کے نزدیک دوسرے اعمال غیر ضروری ہیں، خصوصاً روزہ اور حج کہ نماز اور زکوٰۃ ہی کی طرح بنیادی ارکان میں داخل ہیں۔ صاف مطلب ہے کہ وہ تمام اعمال کتنے ہی ضروری ہوں یا نہ ہوں مگر اسلامی زندگی کی عملی شرط اور عملی شناخت نہیں ہیں۔ یہ درجہ صرف انہی دو عملوں کو حاصل ہوا۔ اگر پوچھا جائے کہ ایک انسان کو اسلامی زندگی بسر کرنے کے لیے کیا کیا اعمال بجالانے چاہئیں؟ تو قرآن جواب دے گا کہ بہت سے اعمال بجا لانے چاہئیں اور ان میں سے ہر عمل اسلامی زندگی کے ضروری عناصر میں سے ہے۔ لیکن اگر پوچھا جائے کہ کسی جماعت کے مسلمان ہونے کی پہچان کیا ہے؟ یعنی وہ کون سی نمایاں خصوصیت ہے جو ایک گروہ کو عام گروہوں سے الگ کر کے مسلم گروہ بنا دیتی ہے؟ تو قرآن کا جواب صرف یہ ہوگا کہ نماز کا اہتمام اور زکوٰۃ کا نظام جس گروہ میں یہ دو باتیں پائی جائیں، سمجھ لو، وہ مسلمان ہے جس میں نہ پائی جائیں سمجھ لو وہ مسلمان نہیں۔

ترکِ صلوٰۃ کے کفر ہونے کی حقیقت

یہیں سے ہمیں اس مسئلہ کا حل بھی مل گیا، جو ترک صلوٰۃ کے کفر اور عدم کفر کی نسبت مختلف فیہ چلا آتا ہے۔ دراصل اس باب میں قرآن نے فرد اور جماعت کا جو فرق ملحوظ رکھا ہے، اس پر غور نہیں کیا گیا اسی لیے طرح طرح کے الجھاؤ پیدا ہو گئے اور سلجھنے کی جگہ اور الجھنے لگے۔ نماز اور زکوٰۃ کے ترک کی دو حالتیں ہیں۔ دونوں کا حکم ایک نہیں۔ ایک یہ ہے کہ کوئی شخص بہ حیثیت ایک فرد کے انہیں ترک کر دے۔ پہلی صورت میں یہ گناہ ہے۔ نہایت سخت گناہ، دوسری صورت میں کفر ہے۔ صریح کفر۔

بات صاف ہے مگر غور کرنے کی ضرورت ہے اسے اچھی طرح سمجھ لو۔ اگر ایک شخص اپنی انفرادی زندگی میں نماز کا تارک ہو رہا ہے تو یہ ایک فرد کی عملی کوتاہی ہے مگر جماعت کا جماعتی امتیاز

قائم ہے کیونکہ اگر زید سے کوتاہی ہو رہی ہے تو عمرو سے کوتاہی نہیں ہو رہی ہے۔ بکر کی سرگرمی میں فرق نہیں آیا ہے لیکن اگر مسلمانوں کی ایک جماعت ایسی پیدا ہوگئی ہے جس کے ہر فرد نے یہ عمل ترک کر دیا ہے اور تمام لوگ اسی حالت پر قانع ہو گئے ہیں تو یہ صرف چند افراد کی انفرادی کوتاہی عمل ہی نہیں ہوئی بلکہ ایک پوری جماعت کا اپنا جماعتی امتیاز کھو دینا ہوا اور اگر جماعت کا جماعتی امتیاز باقی نہیں رہا تو پھر جماعت جماعت نہیں رہی۔ اس کا شمار مسلمانوں میں نہ ہوگا۔

میں نے چند لفظوں میں تمہیں ایک ایسے مسئلہ کا حل بتلا دیا ہے جس کے حل کے لیے بے شمار کتابیں بھی کافی نہیں ہوئی تھیں۔ تم اس پر جس قدر غور کرتے جاؤ گے، اسلامی اصول وقواعد، بے شمار حقائق آشکارا ہوتے جائیں گے۔ یہی معنی ان رواتیوں کے ہیں جن میں کسی بستی کے مسلم اور غیر مسلم ہونے کی علامت یہ بتلائی ہے کہ اذان کے وقت کا انتظار کرو۔ اگر اذان کے وقت صدا اٹھی تو بستی مسلمانوں کی ہے، نہیں اٹھی تو مسلمانوں کی نہیں کیونکہ مسلمانوں کی جماعت کا عملی اور بیرونی امتیاز اس کے سوا اور کچھ نہیں ہے۔ فکر واعتقاد تمہارے مکان کے اندر کی دیواروں کا رنگ و روغن ہے اسے باہر سے نہیں دیکھا جا سکتا۔ باہر سے تو باہر کی دیواروں پر نظر پڑے گی۔ اگر اس کی رنگت سبز ہے تو کہیں گے سبز مکان ہے نہیں ہے، تو کہیں گے نہیں ہے۔

یہی وجہ ہے کہ ہم صحیح ترمذی وغیرہ میں پڑھتے ہیں۔ صحابہ اعمال میں سے کسی عمل کے فقدان کو کفر سے تعبیر نہیں کرتے تھے مگر نماز کے فقدان کو۔ وکان اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لایرون شیئا ترکہ کفراً غیر الصلوۃ ۔

اگر حقیقت حال یہ ہے تو کیا ضروری نہیں کہ تم چند لمحوں کے لیے غور کرو، آج تمہاری زندگی کا یہ جماعتی امتیاز قائم ہے یا مفقود ہو گیا ہے؟

﴿ فَبَشِّرْ عِبَادِ ۔ الَّذِينَ يَسْتَمِعُونَ الْقَوْلَ فَيَتَّبِعُونَ أَحْسَنَهُ ﴾ (۳۹:۱۷)

***

کسی کے انکار سے حقیقت بدل نہیں جاتی

خطبہ عید الاضحیٰ

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ اَرْسَلَ رَسُوْلَہٗ بِالْھُدٰی وَ دِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْھِرَہٗ عَلَی الدِّیْنِ کُلِّہٖ وَ لَوْ کَرِہَ الْمُشْرِکُوْنَ (۳۳:۹) لَقَدْ مَنَّ اللّٰہُ عَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ اِذْ بَعَثَ فِیْھِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِھِمْ یَتْلُوْا عَلَیْھِمْ اٰیٰتِہٖ وَ یُزَکِّیْھِمْ وَ یُعَلِّمُھُمُ الْکِتٰبَ وَ الْحِکْمَۃَ وَ اِنْ کَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ (۱۶۴:۳) اشھد ان لا الہ الا اللّٰہ وحدہ لاشریك لہ واشھد ان سیدنا ونبینا ومولانا محمداً عبدہ ورسولہ.

برادرانِ عزیز! تمہیں معلوم ہے کہ خطبہ کے چند گنے ہوئے منٹ جو میرے حصہ میں آتے ہیں، میں کوشش کرتا ہوں کہ کم سے کم لفظوں میں زیادہ سے زیادہ اہم بات، تمہارے کانوں تک پہنچا دوں لیکن آج صبح سے ایک خاص چیز میرے دماغ میں گردش کر رہی ہے اور اس کا اظہار کیے بغیر میں نہیں رہ سکتا اور نہ واقعات کے تاثر اور حقائق کے نتائج سے کوئی بھی انکار و اغماض کر سکتا ہے۔

میں تمہیں بتلانا چاہتا ہوں کہ اس چیز کا مجھ پر حد درجہ اثر پڑا ہے، یہاں تک کہ دماغ کے ایک ایک ریشہ میں رچ گیا ہے، وہ کیا چیز ہے؟ ...... صرف دو واقعے ...... جن کو میں چند منٹوں کے اندر تمہارے کانوں اور دلوں تک پہنچاؤں گا۔ وہ دو واقعے کیا ہیں؟ جن کو میں تمہیں سمجھانا چاہتا ہوں اور جن سے وقت کی حقیقتوں کے کے دفتر کے دفتر تمہارے سامنے کھل جاتے ہیں۔

پہلا واقعہ۔ یورپ کی علمی تاریخ کا واقعہ ہے اور دوسرا واقعہ اسلام کا ایک علمی اور تاریخی واقعہ ہے۔ تم میں اسکول اور کالج کے طلباء بھی موجود ہیں جنہوں نے یقیناً اس واقعہ کو اپنے اسباق اور لکچروں میں پڑھا اور سنا ہوگا اور ناممکن نہیں اگر تم نے کبھی کسی علمی مجلس وتذکرہ میں اسے سنا اور دیکھا ہو۔ یہ واقعہ میں نے آج سے پینتیس سال قبل مطالعہ کیا تھا اور جسے اس وقت تمہیں وقت کی مناسبت کے اعتبار سے بتانا اور یاد دلانا چاہتا ہوں۔

پہلا واقعہ

علمی ایجاد کے وقت میں... سترہویں صدی کے اوائل میں ..... یورپ نے جہاں اور بہت سی مفید ایجادیں کی تھیں، ایک ایجاد دوربین تھی ... ہاں دوربین...... وہ دوربین نہیں جو تم گھوڑ دوڑ دیکھنے کے لیے ریس والے دن اپنی جیبوں میں لے جاتے ہو بلکہ وہ دوربین جسے موجد نے اس مقصد کے لیے ایجاد کیا تھا کہ فضائے سماوی کو دیکھا جا سکے۔ تاروں، سیاروں، چاند اور سورج کی حقیقتوں کو پرکھا اور جانچا جا سکے اور انسانی معلومات میں نئے نئے نظریے آئیں اور تجربے آئیں۔ علم کی وسعت کے لیے، بحث ونظر کے لیے ایک نیا میدان نوع انسان کے سامنے آئے۔ غور وفکر کرنے والے دل ودماغ اپنی صلاحیتوں کو مفید کاموں میں استعمال کریں۔ نیز اسی سترہویں صدی کی یہ تحقیقات کہ چاند دوسرے سیارگاں کے مقابلہ میں زمین سے نسبتاً قریب ہے۔ نیز یہ تحقیق کہ زمین گردش کرتی ہے یہ تمام مفید ایجادیں اور علمی تحقیقات، جس نے کی وہ..... محقق گلیلو..... ہے۔

یہ وہ وقت تھا کہ یورپ میں مذہبی تعصبات کی ہوائیں چل رہی تھیں اور جہل وتعصب کی یہ طوفان خیزیاں انسانی خون، پانی کی طرح بہا رہی تھیں۔ ٹھیک اسی زمانہ میں جب اس موجد ومحقق نے اپنی تحقیق نتائج کی کہ زمین تھمی ہوئی یا کھڑی نہیں ہے بلکہ سورج کے گرد ایک محور پر، ایک نظام خاص کے ماتحت گردش کر رہی ہے تو اس کے خلاف تمام ملک میں آگ بھڑک اٹھی۔ مذہبی مجالس، مذہبی عدالتیں اور اس ریاست کی اعلیٰ بارگاہ سے، گلیلو موجد ومحقق وقت کے خلاف کفر کے فتوے

صادر کیے گئے اور کہا گیا کہ اس نے مذہب کی توہین کی ہے۔ رسم، اعتقاد اور تورات کی روایات کے خلاف الحادو زندقہ کے جرم کا ارتکاب کیا ہے۔ نیز نظام مذہب پر براہ راست حملہ ہے۔ مقدس پاپایانِ مذہب کو روحانی اذیت پہنچائی ہے چنانچہ Inqueire sation مذہبی عدالت اعلیٰ کی طرف سے مذہب کے نام پر زیادہ سے زیادہ وحشیانہ مظالم کیے جائیں۔۔۔۔ کیوں؟...... کس پر؟...... جس کا جرم اس کے سوا کچھ نہ تھا کہ ایک حقیقت، ایک علمی تحقیق، وقت کی ایک مفید ایجاد سے کیوں قوم کو روشناس کر دیا ہے اور اس لیے کہ دور تاریکی سے نوع انسان کو علم وحکمت کی روشنی میں کیوں لا رہا ہے۔ یہ تھا گلیلو اور یہ تھا اس کا جرم وقصور اور یہ تھا سترہویں صدی کے مقدس پیشوایانِ مذہب کا عدل!!

فرمائش وفہمائش کی گئی کہ گلیلو، تُو یہ مت کہہ کہ زمین گھومتی ہے مگر دوستو حقیقت حقیقت ہے، وہ پروانہیں کرتی، خس وخاشاک کیا رائے رکھتی ہے اس کی اس نے کبھی پرواہی نہیں کی۔ گلیلو نے انکار کیا۔ مذہبی مقدس عدالت کے سامنے بلایا گیا، اسی کی زبان سے تحقیقات اور علمی ایجاد پر بیان لیا گیا اور حکم دیا گیا کہ اس ''کفر'' سے عدالت کے سامنے اظہار معذرت وتوبہ کرے، گھٹنے ٹیک کر طالب عفو ہو، ورنہ دہکتی ہوئی آگ میں جھونک دیئے جانے پر آمادہ ہو جائے۔ عقوبت وسزا کے لیے مستعد ہو جائے اور طرح طرح کے عتاب برداشت کرنے پر تیار۔

گلیلو پہلے تو اپنی بات پر اڑا رہا اور اس نے اپنی تحقیقات کو جرم اور توہین مذہب تسلیم کرنے سے انکار کر دیا اور کہا یہ تو صرف علمی اکتشاف، دریافت اور نظریہ ہے، اہانت مذہب سے اس چیز کو کیا واسطہ مگر جب عدالت کے اشارے سے جلاد آگے بڑھے تو کانپ اٹھا۔ آخر غریب بوڑھا تھا ہمت نے جواب دے دیا۔ دل مضبوط اور پاؤں ثابت قدم نہ رہے۔ ڈگمگایا اور پھر بولا بہتر ہے میں توبہ کرتا ہوں گھٹنے ٹیکے، معذرت کی اور معافی مانگ لی۔ رہائی کا حکم پاکر واپس چلا، ہنوز عدالت برخواست نہ ہوئی تھی، دروازے تک پہنچا ہی تھا کہ کھڑا ہو گیا اور گھوم کر عدالت کو مخاطب کر کے بولا مگر زمین اب بھی گھوم رہی ہے...... گرفتار کر لیا گیا بڑھاپے کے دروازے پر پہنچ جانے کے باوجود اب ہمت جوان ہوگئی تھی کڑک کر بولا میں گھٹنا ٹیک سکتا ہوں، مجھ پر تمہاری قہر وغضب کی بجلی

گر سکتی ہے، تمہاری عدالت میرے جسم کو عذاب و عقوبت میں مبتلا کر سکتی ہے مگر...... زمین...... زمین پر تو تمہارا بس نہیں، اس پر تمہارے کفر کا فتویٰ نہیں لگ سکتا اور...... علمی تحقیق تو ایک علم ہے، ایک حقیقت ہے، حقیقت تو تمہارے سامنے گھٹنے نہ ٹیکے گی بلکہ اس کے خلاف...... تم...... تم ایک دن حقیقت کے سامنے جھک جانے پر مجبور ہو گے۔

ڈریپر (Drapper) نے جن الفاظ کے ساتھ تاریخ کے نہ محو ہونے والے اوراق پر اس حقیقت اور ان مقدس درندوں کے بے دردانہ مظالم کا نقشہ کھینچا ہے، اس کا ایک ایک حرف میرے دل پر کھد گیا ہے...... موجد و محقق کے ساتھ مذہب کے نام پر ظالموں کے اس سلوک نے یہ کیا کہ گو، گلیلو موت کی ابدی نیند سلا دیا گیا مگر ایک جماعت کا ضمیر اچانک جاگ اٹھا۔ گلیلو کے الفاظ کہ میرے توبہ کرنے سے حقیقت کا کیا نقصان، جو بہر حال حقیقت ہے۔ حقیقت کو اس کی کیا پروا کہ کس کے ساتھ کیا ہوتا ہے، کون کرتا ہے، کیوں کرتا ہے؟ وہ ہر حال میں حقیقت ہے۔ حقیقت کسی کے سامنے گھٹنے نہیں ٹیک سکتی بلکہ دنیا خود حقیقت کے سامنے جھکتی ہے، ابھرے اور ایک دن جو اس دن سے زیادہ دور نہ تھا، ایسا آیا کہ لوگ گلیلو کی پرستش کر رہے تھے۔

یورپ کی علمی تاریخ میں تجسس و تحقیقات کی یہ حقیقت آج بھی ابھرے ہوئے نقوش اور روشن نمود کے ساتھ موجود ہے۔

دوسرا واقعہ

دوسرا واقعہ اسلامی دورِ حکومت کی ایک علمی و تاریخی حقیقت ہے۔ یہ واقعہ احمد بن حنبلؒ کا واقعہ ہے۔ خلیفہ واثق اور مامون کے زمانے میں خلق قرآن کا ایک فتنہ اٹھتا ہے۔ بارگاہِ خلافت کے پرجلال ایوانِ سطوت سے آواز اٹھتی ہے کہ قرآن کو مخلوق مان لیا جائے۔ اغراض کے بندے کس زمانہ میں نہ تھے، منصب و جاگیر کے خواہاں کس وقت کم رہے ہیں؟ کتنوں نے تو فوراً تسلیم کر لیا۔ کتنے ایسے بھی تھے جو اس گھونٹ کو آسانی سے پی لینے پر آمادہ نظر نہ آتے تھے۔ کتنے خوف و دہشت کے سبب سے انکار تو نہ کر سکتے تھے مگر تاویلیں تلاش کر رہے تھے، کتنے ایسے بھی تھے جو وطن

چھوڑ کر بھاگ گئے تھے...... کچھ حق وصداقت کے پیکر...... ایسے یقیناً تھے اور جن کے وجود سے زمانہ کبھی خالی نہیں رہا، جو علی الاعلان کہہ رہے تھے کہ قرآن میں تاویل کی قطعاً گنجائش نہیں نیز یہ کہ ھو کلام اللّٰہ غیر مخلوق قرآن اللہ کا کلام ہے مخلوق نہیں۔ خلفائے عباسیہ کا دربار، معتزلہ کی کثرت، ان کا اصرار، وقت کے جتنے علماء تھے ان کا قرار، تذبذب، تاویل یا فرار، امر حقیقت یہ ہے کہ ایک عجیب ابتلاء، آزمائش، داروگیر کا زمانہ تھا جنہوں نے انکار کیا تھا جیل کی کوٹھڑیوں میں بند اور مبتلائے عذاب تھے، جو کمزور دل کے تھے، اقرار کر کے نکل آئے لیکن امام احمد بن حنبل جن بزرگ نے جیل کی کوٹھڑی، تازیانہ کی مار، کوڑوں اور دروں کے غیر انسانی عذاب کو پسند فرمایا بلکہ خود دعوت دی تھی، ہرگز آمادہ نہ ہوئے کہ باطل کے سامنے گھٹنے ٹیک کر، جھک کر جان بچانے کو ترجیح دیں۔ اگرچہ حکومت نے اپنے خفیہ کارندوں سے امام حنبل سے کہلوایا کہ جان بچانا فرض ہے، اثر نہ ہوا۔ عہدے اور منصب کی ترغیب دی گئی، منہ پھیر لیا۔ عذاب وعقاب کا خوف دلایا گیا، مسکرا دیئے۔ امام ممدوح کے ساتھ ایک صاحب اور تھے جب سزا کو برداشت نہ کر سکے تو لطائف الحیل کے ساتھ جیل سے باہر آ گئے۔ انہیں بھی مشورہ دیا لیکن حقارت ونفرت سے ٹھکرا دیا اور فرمایا: اعطونی شیئا من کتاب اللہ و من سنۃ رسولہ۔

دوستو! میرے سامنے ایک حقیقت ہے، وقت کی سختیاں چیزیں کیا ہیں؟ ان سختیوں کو دوام نہیں، فنا ہے۔ جسم فنا ہوا تو سختیاں بھی نابود سمجھو، مجھے زمانہ کی کڑی اس روشنی سے ہٹا نہیں سکتی جو میرے سامنے ہے...... بدستور کوڑے کھاتے ہیں حتیٰ کہ تمام منہ لہو سے تر ہو جاتا ہے۔ جب حالت حد درجہ نازک ہوگئی تو علماء کی ایک جماعت جسے علماء کہنا ہی علماء کی توہین ہے، آئی اور طرح طرح کے حیلوں سے اس وجود عظیم کو جادۂ حق سے منحرف کرنا چاہا۔ آپ نے فرمایا: اچھا میرے ساتھ آؤ، جیل کی کوٹھڑی کے ایک دریچے میں لے گئے۔ کھڑکی کھولی۔ باہر ہزارہا مخلوق آج کی گفتگو سننے اور نتیجہ قلمبند کرنے کے لیے موجود کھڑی تھی۔ ہاتھوں میں قلم، دامن میں دوات، آپ نے ان سے مخاطب ہو کر فرمایا تم کون ہو؟ اور یہاں کیوں آئے ہو؟ جواب ملا ''ہم طالبان علم ہیں اور اس لیے آئے ہیں کہ یہ آپ کا آخری وقت ہے، اس مسئلہ کی بابت

آپ کی رائے قلمبند کریں گے تاکہ وہ امت اور خلف کے لیے دلیل ہو، جواب سن کر آپ نے اس جماعت سے خطاب فرمایا: تم نے سن لیا اور میری ذمہ داری کا اندازہ کیا۔ اگر میں آج حقیقت پر ثابت قدم نہ رہا تو کل قیامت کے دن امت رسول اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اور اللہ کو کیا جواب دوں گا اور موت تو بہر حال آنی ہے...... میں جانتا ہوں کہ بہت سے علماء اقرار کر کے جیل سے چھوٹ چکے ہیں۔ مجھے معلوم ہے کہ اگر میں بھی پسند کروں تو اسی طرح اقرار کر کے چھوٹ سکتا ہوں۔ یہی نہیں اعزاز بھی ملے گا، آرام بھی ہوگا، ورنہ یہی عذاب تا آنکہ موت مجھے آغوش میں لے لے مگر کیا میں ایک بدعت کے سامنے جھک جاؤں؟ کیا ایک باطل کو قبول کرلوں؟ کیا وقت کی چند کڑواہٹوں کے خوف سے، حقیقت سے انکار کردوں؟ کیا امت میں ایک فتنہ ہمیشہ کے لیے چھوڑ جاؤں؟ یہ ہرگز نہ ہوگا۔ ناممکن ہے کہ میں نظامِ قرآن درہم برہم کروں۔ مجھے یہ تمام مصائب منظور مگر حقیقت سے روگردانی، سچائی سے انکار، مجھ سے یہ توقع عبث۔ جاؤ خلیفہ وقت کو بتاؤ۔

اللہ اللہ، ۳۵ برس ہوئے کہ میں نے ان تاریخی اور علمی حقائق کو دیکھا تھا اور یہ دونوں واقعے اس درجہ مجھ پر اثر انداز ہوئے کہ میرے دل ودماغ کے گوشہ گوشہ میں آج بس گئے ہیں حتیٰ کہ اکثر اوقات یہ واقعات خواب میں متشکل ہو کر مجھے نظر آتے رہتے ہیں...... حقیقت بہر حال حقیقت ہے۔

میرا معاملہ کلکتہ میں محدود نہیں ہے، کلکتہ کا کوئی گوشہ بھی میرے سامنے نہیں۔ ایک چیز اور یاد رکھو، ایک لمحہ کے لیے بھی نہ بھولو۔ تم مجھ سے ساری فرمائشیں کر سکتے ہو، مجھ سے سب کچھ لے سکتے ہو مگر ایک سیکنڈ کی خاطر، ایک سیکنڈ کے پچاسویں حصہ کے لیے بھی، میری نسبت یہ توقع نہ کرنا کہ میں نے جس حقیقت کو اپنی بصیرت کی روشنی میں دیکھ لیا ہے، ٹھیک اسی طرح، جس طرح تم اس چھپتے ہوئے سورج کو دیکھ رہے ہو۔ اس حقیقت سے...... ہاں اسی حقیقت سے...... ایک انچ بھی ہٹ جاؤں گا۔ زمانے کی تلخیاں یا کروڑ روپے کا لالچ، جو بھی ہو مجھے اس حقیقت سے برگشتہ نہیں کرسکتا اور لوگوں کی خواہش...... لوگوں کی خواہش...... حقیقت کے سامنے چیز ہی کیا

ہے؟ سارے انسان، یہ تو خس وخاشاک کے ڈھیر ہیں، خس وخاشاک...... ہاں خس وخاشاک یعنی مٹی کے ڈھیر ہیں، حقیقت کے آگے اس مٹی کے ڈھیر کی حقیقت کیا ہے۔ مکھیوں کا گروہ ہیں...... تم کو اگر مکھیاں گھیر لیں تو کیا تم مکھیوں کے سامنے سر جھکا دو گے۔ یقیناً نہیں بلکہ ان پر قابو حاصل کرو گے۔

مجھے جو کچھ ملا ہے، حقیقت کی روشنی میں ملا ہے، قبول عام کے لیے میں نے کبھی کسی کی پیروی نہیں کی بلکہ اپنی راہ خود بنائی ہے، کوئی لالچ مجھے لبھا نہیں سکا، کسی کی ہیبت نا کی مجھے مرعوب نہیں کر سکی...... جس راہ کو درست، حق اور سچی سمجھ کر سچائی کے ساتھ، بصیرت کی روشنی میں اختیار کیا، اسی جادۂ حق وصواب پر آج تک قائم ہوں اور اس کے نتائج کو اتنا ہی قریب دیکھ رہا ہوں جتنا تم مجھ کو۔۔۔۔۔۔۔۔انسانی جنگل، ذرات کا یہ صحرا! اس کی نبضیں تو میرے ہاتھ میں ہیں، حقیقت کے سامنے، ان وجود کی خواہشات کا شمار ہی کیا؟ حقیقت بہر حال حقیقت ہے۔ هــــذا و ان احسن الكلام كلام الله الملك العلام.

❋ ❋ ❋

مولانا ابوالکلام آزاد کی تصانیف

- تفسیر ترجمان القرآن (تین جلدیں)
- ام الکتاب (تفسیر سورۃ فاتحہ)
- قرآن حکیم کی تین سورتیں (ترجمہ وتفسیر)
- غبار خاطر
- تذکرہ
- خطبات آزاد
- آزادی ہند
- مسئلہ خلافت
- قول فیصل
- قرآن کا قانون عروج وزوال
- حقیقت الصلوٰۃ
- ولادت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم
- سیرت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے عملی پہلو
- تذکرہ الانبیاء (علیہم السلام)
- خطبات جمعہ وعیدین
- مسلمان عورت
- صدائے حق (امر بالمعروف و نہی عن المنکر)
- فسانہ ہجر ووصال
- ارکان اسلام
- مقام دعوت
- جماعت حزب اللہ
- مسئلہ خلق قرآن
- جامع الشواہد
- انسانیت موت کے دروازے پر
- رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفائے راشدین کے آخری لمحات
- اسلام میں آزادی کا تصور (الحریت فی الاسلام)
- شہادت حسین رضی اللہ عنہ
- اصحاب کہف اور یاجوج وماجوج
- فلسفہ (اصول ومبادی کی روشنی میں)

- تصورات قرآن — مولانا ابوالکلام آزاد مرتبہ: ڈاکٹر سید عبداللطیف
- مولانا ابوالکلام آزاد کی قرآنی خدمات — مرتبہ: افضل حق قرشی
- مولانا آزاد ابوالکلام نے پاکستان کے بارے میں کیا کہا — مرتبہ: ڈاکٹر احمد حسین کمال
- ذکر آزاد (مولانا ابوالکلام آزاد کی رفاقت میں ۳۸ سال) — مولانا عبدالرزاق ملیح آبادی
- ابوالکلام کی کہانی خود آزاد کی زبانی — مولانا عبدالرزاق ملیح آبادی
- مولانا آزاد کے سائنسی مضامین — مرتبہ: ڈاکٹر وہاب قیصر
- ابوالکلام آزاد۔ امام عشق وجنوں — ڈاکٹر سید عبداللہ

مکتبۂ جمال

تیسری منزل، حسن مارکیٹ، اردو بازار، لاہور
Cell: 0300-8834610/ Ph: 042-37232731
mjamal09@gmail.com/maktabajamal@yahoo.co.uk

ادارے کی دیگر کتب

کتاب	مصنف
• دیوان غالب (فرہنگ کے ساتھ)	مرزا اسد اللہ خاں غالب
• دیوان غالب (پاکٹ)	مرزا اسد اللہ خاں غالب
• کلیات اقبال (فرہنگ کے ساتھ)	علامہ محمد اقبال
• کلیات اقبال (عام)	علامہ محمد اقبال
• انتخاب کلیات اقبال (مع فرہنگ)	انتخاب: عابدہ خاتون
• انتخاب سخن (منتخب غزلیں)	انتخاب: عابدہ خاتون
• سیف الملوک - 104 سالہ قدیم نسخہ (ڈیلکس ایڈیشن)	میاں محمد بخش
• کلیات ساغر	ساغر صدیقی
• اقبال اور ذکر حسین رضی اللہ عنہ	محمد شریف بقاء
• پاکستان سے اقبالستان تک	پروفیسر محمد عارف خان
• دل دے دکھ (فراقیہ سی حرفیاں)	میاں محمد جان
• نگارستان (اردو گرائمر پر جامع کتاب)	منصف خان سحاب
• فنون لطیفہ (فن شاعری، فن موسیقی، فن تعمیر اور فن مصوری کے آغاز و ارتقاء کے بارے میں جامع کتاب)	مرزا سلطان احمد
• فن تقریر (فن تقریر پر بہترین کتاب)	پروفیسر نوید کیانی
• گوجری زبان و ادب	ڈاکٹر صابر آفاقی
• مظاہر نفس (اقلیم عرفان ذات و افکار خیال)	ڈاکٹر سید انور فراز
• کامیاب زندگی کا تصور	پروفیسر انور دل
• لالہ زار کے داغ (وادی کاغان کے پس منظر میں لکھے گئے افسانے)	فیاض عزیز
• صریر خامہ (مختلف ادبی، تاریخی مضامین)	محمد یوسف چودھری
• گلگت بلتستان کا اردو ادب	حلقہ ارباب ذوق
• گھریلو آزمودہ نسخوں کا انسائیکلوپیڈیا (قدیم حکماء کی تحقیقات کا نچوڑ)	ترتیب: سید امتیاز علی تاج
• مکمل بیوٹیشن گائیڈ	آسیہ آرزو
• پروفیشنل بیوٹیشن بنیئے	آسیہ آرزو
• بہار شباب (جنسی مسائل کی رہنما کتاب)	حکیم غلام محمود خاں

مکتبہ جمال
تیسری منزل، حسن مارکیٹ، اردو بازار، لاہور
Cell: 0300-8834610/ Ph: 042-37232731
mjamal09@gmail.com/maktabajamal@yahoo.co.uk

ادارے کی دیگر کتب

کتاب	مصنف
عصر حاضر میں اسوہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی معنویت	پروفیسر ڈاکٹر محمد سعود عالم قاسمی
سیرت رسول ہاشمی صلی اللہ علیہ وسلم	قاضی ظاہر الہاشمی (ایڈوکیٹ)
خلفائے راشدین (حسن، کردار عمل)	الشیخ خالد البیطار / مولانا سعید الرحمٰن علوی
فضائل درود شریف	مولانا محمد زکریا
خطبات بمبئی	مولانا محمد منظور نعمانی
روشنی	مولانا محمد متین ہاشمی
قرب الٰہی (عبادات کی روشنی میں)	مسز جوہر
اسلامی حکومت کا فلاحی تصور	مولانا سعید الرحمٰن علوی
مشاہیر اسلام کی نصیحتیں (وصایا)	افتخار فریدی
نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مبارک سنتیں	مولانا ابو المظفر ظفر احمد قادری
اسلام کی دنیا (بچوں کے لیے بہترین کتاب)	ایلمارتھ ہارڈر / بشریٰ سہیل
تاریخ اسلام (زمانہ قبل از اسلام سے عہد حاضر تک)	محمود الحسن صدیقی / چراغ حسن حسرت / ریاض الاسلام
اسلام میں غلامی کی حقیقت	مولانا سعید احمد اکبر آبادی
اعجوبہ اسرار (فلسفہ زندگی کی صوفیانہ کتاب)	تقی محمد خان خورجوی
اسلام کا نظریہ تاریخ	محمد مظہر الدین صدیقی
میثاق عمرانی	پروفیسر غازی علم الدین
افکار رومی	مولانا محمد عبد السلام خان
جلال الدین رومی (انسانی روح کا سرمدی نغمہ)	اختر الواسع، فرحت احساس
جہان رومی	مرزا عبد الباقی بیگ
سرزمین مشترک	محمد سہیل عمر
ترکی میں مشرق اور مغرب کی کشمکش	خالدہ ادیب خانم
نجات کا راستہ (قرآن کی روشنی میں)	مرتبہ: حافظ مقبول احمد دھلوی
افغان جہاد اور اس کا ملبہ	محمد یوسف چودھری

تیسری منزل، حسن مارکیٹ، اردو بازار، لاہور
Cell: 0300-8834610/ Ph: 042-37232731
mjamal09@gmail.com/maktabajamal@yahoo.co.uk

تیسری منزل، حسن مارکیٹ، اردو بازار، لاہور
Cell: 0300-8834610 Ph: 042-37232731
mjamal09@gmail.com - maktabajamal@yahoo.co.uk
Design By: MUHAMMAD AHSUN Gull